عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

ہفت روزہ ختمِ نبوۃ

INTERNATIONAL URDU WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT KARACHI PAKISTAN

حضرت نعیم بن مسعودؓ

جلد: ۴۲ | ۹ تا ۱۷/ جمادی الثانی ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۳ تا ۳۱/ دسمبر ۲۰۲۳ء | شمارہ: ۴۸

مسئلۂ فلسطین

یہود و نصاریٰ اور امّت مسلمہ کا موقف

اظہارِ حق

تحقیق و تعلیق

Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.info
http://www.khatm-e-nubuwwat.com
Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.org
Email: editorkn@yahoo.com

ورثا میں تقسیمِ وراثت

س:...... ہماری والدہ کا انتقال ۱۷ سال پہلے ہوگیا تھا، ان کے انتقال کے بعد بڑے بھائی نے کہا کہ مکان میں میرا جو بھی حصہ بنتا ہے وہ میں نے اپنی دونوں بہنوں کو دے دیا۔ میرا حصہ بھی ان دونوں کو تقسیم کردینا۔ بھائی کے پاس سب کچھ ہے، اس لئے اس نے بہنوں کو حصہ ہبہ کردیا۔ اس کے انتقال کو اب چھ سال ہوچکے ہیں۔ بھائی کے بعد اب والد صاحب کا بھی انتقال ہوگیا۔ اس کو بھی تین سال ہوگئے ہیں۔ اس مکان کے مالک والد صاحب تھے۔ تین منزلہ مکان ہے، اب فروخت ہورہا ہے تو کیا بڑے بھائی کا حصہ نکال کر بہنوں کو دیا جائے گا یا نہیں؟ یا اس کے بیوی بچوں کو ہی دیا جاے گا، جبکہ وہ لوگ خوشحال ہیں۔ والد کے انتقال کے وقت ہم چار بھائی اور دو بہنیں تھیں، جبکہ بڑے بھائی والد کی زندگی میں ہی انتقال کرگئے تھے۔ یہ ورثہ کیسے تقسیم ہوگا؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

ج:...... صورت مسؤلہ میں آپ کے والد مرحوم کی تمام جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کو شرعاً دس حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، جس میں سے دو دو حصہ مرحوم کے چاروں بیٹوں میں سے ہر ایک بیٹے کو اور ایک ایک حصہ دونوں بیٹیوں میں سے ہر ایک بیٹی کو ملے گا۔ مرحوم کی بیوی اور ایک بیٹے کا انتقال اس کی زندگی میں ہی ہوگیا تھا، اس لئے اس کی بیوی اور وہ بیٹا ترکہ سے محروم ہوں گے۔ اسی طرح اس بیٹے کی بیوی اور بچے بھی محروم ہوں گے۔

چمڑے کے موزوں پر مسح کا حکم

س:...... چمڑے کے موزوں پر مسافر اور مقیم کے لئے مسح کرنے کا حکم کب تک ہوتا ہے؟ یعنی کتنی مدت میں موزے اتار کر پاؤں دھونا ضروری ہوتا ہے؟

ج:...... چمڑے کے موزوں پر مسح کرنے کا حکم مقیم آدمی کے لئے ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کے لئے تین دن تین رات تک ہے۔ پاؤں دھوکر موزے پہننے کے بعد جب دوبارہ وضو کرنا ضروری ہو اس وقت سے یہ مسح کا حکم شروع ہوگا اور جیسے ہی مدت پوری ہوجائے گی تو حکم مسح ختم ہوجائے گا اور نئے سرے سے پاؤں دھونا ضروری ہوگا۔

پانی کے موجود ہوتے ہوئے تیمم کرنا جائز نہیں

س:...... سردی کے دنوں میں صبح کے وقت گرم پانی میسر نہ ہونے کی وجہ سے ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا کافی مشکل ہوتا ہے اور غسل کی ضرورت پیش آجائے تو ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ تو کیا ایسی صورت میں تیمم کرکے نماز فجر پڑھ سکتے ہیں؟ یا پھر نماز قضا کردینا صحیح ہے؟

ج:...... پانی کے موجود اور استعمال پر قدرت ہوتے ہوئے تیمم کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح نماز قضا کردینا اور بھی شدید گناہ ہے۔ اس لئے رات سے ہی یا پھر صبح جلدی اٹھ کر پانی گرم کرنے کا انتظام اور اہتمام کرنا ضروری ہے تاکہ نماز قضا ہونے سے بچا جاسکے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بھی بچ جائیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ہفت روزہ ختمِ نبوّت

مجلسِ ادارت

صاحبزادہ مولانا عزیز احمد، علامہ احمد میاں حمادی،
مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی، مولانا قاضی احسان احمد

جلد: ۴۲ ۹ تا ۱۷؍جمادی الثانی ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۳ تا ۳۱؍دسمبر ۲۰۲۳ء شمارہ: ۴۸

اس شمارے میں!

ریاست پاکستان کا سیاسی منظر نامہ	۵	حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ
مسئلہ فلسطین... امت مسلمہ کا مؤقف	۷	مولانا محمد اسماعیل ریحان
صہیونیت اور اسرائیل... تاریخی پس منظر (۴)	۱۱	مولانا زاہد الراشدی مدظلہ
”اظہار الحق“ کی تحقیق و تعلیق	۱۳	مرسلہ: جناب خالد محمود صاحب
حضرت نُعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ	۱۷	ڈاکٹر عبدالرحمن رأفت پاشاؒ
فکرِ شیخ الہندؒ کے عصری تقاضے	۲۲	مرسلہ: جناب خرم شہزاد صاحب
مولانا غلام ربانیؒ، رحیم یار خان	۲۴	مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی
دعوتی و تبلیغی اسفار	۲۶	〃 〃 〃 〃 〃

سرپرست

حضرت مولانا حافظ ناصر الدین خاکوانی مدظلہ

مولانا سیّد سلیمان یوسف بنوری

مدیرِ اعلیٰ

مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری

نائب مدیرِ اعلیٰ

مولانا اللہ وسایا

مدیر

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

معاون مدیر

عبداللطیف طاہر

قانونی مشیر

حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ

منظور احمد میؤ ایڈووکیٹ

سرکولیشن منیجر

محمد انور رانا

تزئین و آرائش:

محمد ارشد خرمؔ، محمد فیصل عرفان خان

بیاد

امیر شریعت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ
مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ
مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
محدث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ
خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ
فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ
مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ
مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ
ترجمان ختم نبوت مولانا محمد شریف جالندھریؒ
جانشین حضرت بنوری حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ
شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
حضرت مولانا سیّد انور حسین نفیس الحسینیؒ
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ
شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندرؒ
شہید ختم نبوت حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خانؒ
شہید ناموس رسالت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ

زرِ تعاون

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا: ۱۰۰ ڈالر، یورپ، افریقا: ۸۰ ڈالر، سعودی عرب،
متحدہ عرب امارات، بھارت، مشرق وسطیٰ، ایشیائی ممالک: ۷۰ ڈالر
فی شمارہ: ۱۵ روپے، ششماہی: ۳۵۰ روپے، سالانہ: ۷۰۰ روپے

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)
ایم اے جناح روڈ کراچی، فون: ۳۲۷۸۰۳۳۷، فیکس: ۳۲۷۸۰۳۴۰
Jama Masjid Bab-ur-Rehmat (Trust)
Old Numaish M.A.Jinnah Road Karachi
Ph:32780337, Fax:32780340

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان
فون: ۰۶۱-۴۷۸۳۴۸۶
Hazori Bagh Road Multan
Ph:061-4783486

لندن آفس:
35,Stockwell Green
London, SW9 9HZ U.K
Ph:0207-737-8199

ناشر: عزیز الرحمٰن جالندھری مطبع: القادر پرنٹنگ پریس طابع: سیّد شاہد حسین مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

دورِ نبوت کے تاریخ وار حالات وواقعات

عہدِ نبوت کے ماہ وسال

تالیف: علامہ مخدوم محمد ہاشم سندھی ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ: حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ

قسط:۶۲ فصل:....۸ ہجری کے سرایا

۵:.... سریہ موتہ:....اسی سال جمادی الاولیٰ میں جنگِ موتہ ہوئی، اس جنگ میں اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس تشریف نہیں لے گئے مگر بہت کافی تعداد میں مسلمان اس میں شریک ہوئے، اس لئے اس کو ''غزوۂ مؤتہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

موتہ:....بضم میم وسکونِ واؤ، اس کو بیشتر حضرات ہمزہ کے بغیر پڑھتے ہیں، اور بعض ہمزہ کے ساتھ ''مؤتہ'' پڑھتے ہیں۔ سہیلیؒ نے الروض الانف میں اسی کو ترجیح دی ہے، موتہ ملکِ شام کا ایک مشہور ومعروف شہر ہے، جو دمشق سے ادھر بلقاء کی عمل داری میں ہے اور وہ دمشق سے دو مرحلوں پر اور مدینہ سے اٹھائیس مرحلوں پر ہے۔

بلقاء:....بفتح باء موحدہ، وسکون لام، اس کے بعد قاف۔ دمشق کے مضافات میں ایک قصبہ ہے جس کے ماتحت بہت سے قریے ہیں، اور یہ دمشق سے قبلے کی جانب واقع ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنگ کے لئے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو اَمیرِ لشکر مقرّر کیا اور فرمایا کہ اگر زید شہید ہوجائیں تو جعفر بن ابی طالبؓ امیر ہوں گے، اور اگر جعفرؓ شہید ہوجائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ امیر ہوں گے، اور وہ بھی شہید ہوجائیں تو مسلمان اپنی جماعت میں سے کسی کو منتخب کرکے امیر بنالیں۔ اس ارشاد میں گویا ان تینوں حضرات کی شہادت کی پیش گوئی فرمائی جو حرف بحرف صحیح نکلی۔ (مترجم) کیونکہ شاہِ رُوم (ہرقل) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معرکہ آرائی کے لئے ڈھائی لاکھ کا لشکرِ جرار لے کر مذکورۃ الصدر موضع بلقاء میں فروکش تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سریہ جس میں شامل ہونے والے صحابہ کی تعداد تین ہزار تھی شاہِ رُوم کے مقابلے کے لئے روانہ فرمایا، حق و باطل کے اس معرکے میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما نے اسلامی پرچم ہاتھ میں لیا اور اِسلامی لشکر کو کافروں سے لڑاتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا، ان کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اُٹھایا اور شدید لڑائی ہوئی، بالآخر وہ بھی شہید ہوئے، اب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے علَمِ اسلام بلند کیا اور شدید معرکے کے بعد وہ بھی لیلائے شہادت سے ہم آغوش ہوئے، ان تینوں جرنیلوں کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے بالاتفاق ''اللہ کی تلوار'' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اَمیرِ لشکر چنا، آپؓ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور مسلمانوں کی صفوں کو اَز سرِ نو مرتب کرکے کافروں پر ٹوٹ پڑے، بنصرتِ اِلٰہی جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور کفار کو عبرت ناک شکست ہوئی، اور حضرت خالدؓ دربارِ نبوّت سے ''اللہ کی تلوار'' کے خطاب سے سرفراز ہوئے، ارشاد ہوا: ''خَالِدٌ سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ'' (خالد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں)۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے صرف بارہ آدمی شہید ہوئے جبکہ کافروں کے اتنے آدمی ڈھیر ہوئے جن کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے، کافروں کے بیشتر جرنیل اس معرکے میں کام آئے اور ان کا اسلحہ اور ساز وسامان مسلمانوں کا مالِ غنیمت بنا، اس موقع پر مسلمانوں کی فتح محض نصرتِ خداوندی کی رہینِ منّت تھی۔ ''اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے، جو غالب اور حکمت والا ہے۔'' ورنہ مسلمانوں کی تعداد کافروں سے تراسی گنا کم تھی۔

۶:.... سریہ عمرو بن العاصؓ:....اسی سال جمادی الاخریٰ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا سریہ ذات السلاسل بھیجا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تین سو سر برآوردہ مہاجرین وانصار کا اَمیر بناکر مشرکین کے قبائل قضاعہ، عاملہ، لخم اور جذام کے مقابلے میں روانہ کیا، اس سریہ میں تین گھوڑے بھی تھے، موضع سلاسل میں مقابلہ ہوا اور مسلمان قتل وقتال کے بعد سالم وغانم مدینہ واپس آئے۔ (جاری ہے)

اداریہ

حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ

ریاست پاکستان کا سیاسی منظر نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

ملک عزیز پاکستان کے ایک جرنیل قمر جاوید باجوہ نے اپنی پسند کے وزیراعظم جناب عمران نیازی کو منتخب کرایا۔انہوں نے ملک کو معاشی واخلاقی طور پر ایسا کنگال کردیا کہ اسی باجوہ صاحب کو ملک کی سیاسی جماعتوں سے اپیل کرنی پڑی کہ ملک کنگال ہوگیا ہے اس کا دیوالیہ ہونے والا ہے۔اسے بچانے کے لئے آپ آگے آئیں۔عمران خان کو چلتا کریں تاکہ ملک بچ جائے۔جرنیلی سیاست کے قربان جایئے کہ ملک کے بہترین مفاد میں جناب عمران خان کو لایا گیا اور پھر ملک کے بہترین مفاد میں اسے ہٹایا گیا۔زبان ایک باتیں دو،سکہ ایک چہرے دواور لطف یہ کہ دونوں متضاد باتیں کرتے ہوئے شرم نام کی کوئی چیز قریب پھٹکنے نہیں دی۔

جناب عمران خان کی جگہ جناب میاں شہباز شریف کو وزیراعظم لایا گیا قومی حکومت بنی،مدت ختم ہوتے ہی عبوری وزیراعظم کے طور پر قلعہ سیف اللہ بلوچستان کے جناب انوارالحق کاکڑ کو لایا گیا۔وہ غیر متنازعہ وزیراعظم کے طور پر تشریف لائے۔۹رمئی ۲۰۲۳ء کے حادثہ کے کرداروں کے گرد گھیرا تنگ ہوا۔ان کرداروں نے پی ٹی آئی کے دیوان سے ایک ایک کر کے اڑان بھرنا شروع کی۔دیوان ویران اور اس دیوان کے سردار صاحب جیل کے مہمان۔ تاحال منظر وہی ہے۔

پی ٹی آئی سے اڑان بھرتی ڈار کو استحکام پاکستان پارٹی کا ریڈار نظر آیا۔وہاں پہنچے تو جناب جہانگیر ترین اور جناب علیم خان نے اپنے پروں تلے ان کو ماماتا کی محبت اور پدرانہ شفقت سے نوازا۔

بشریٰ بی بی اور جناب خان بابا کے نکاح سے پہلے ناسوتی،لاہوتی تعلقات پر جناب خاور مانیکا نے انکشافات کئے۔پتہ ہر ایک کو تھا،معلومات میں اضافہ نہ سہی لیکن ایک تاریخی حقیقت،اور عمران خان کی لن ترانیاں اوج کمال کو چھونے لگیں۔آج(۵ردسمبر کو) سابق وزیراعظم عمران خان کا بیان اخبار کی زینت بنا کہ میں نے نکاح کے دن بشریٰ بی بی کا پہلی بار چہرہ دیکھا۔اس پر فی البدیہہ عون چوہدری نے بیان داغا کہ:’’عمران خان کا نکاح کے دن پہلی بار بشریٰ بی بی کا چہرہ دیکھنا،یہ اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔‘‘

فارسی میں ایسے موقع پر مارے افسوس،اندوہ یا تعجب کے کہا جاتا ہے:’’کاشکے تراما در نہ زادے‘‘(کاش!تجھے تیری ماں نہ جنتی،میانوالی کی سرائیکی زبان میں اس کا ترجمہ ہے کہ شالا نہ جموں ہا،اچھا تھا پیدا ہی نہ ہوتا)۔

جس اسلامی جمہوریہ ملک کے سابق وزیراعظم کا ایک جھوٹ صدی کے جھوٹوں پر فوقیت وچیئر مینی کا درجہ حاصل کرلے اور اسی میں ملک کے نامور خطیب کو مدینہ کی ریاست کا داعی نظر آئے:

یہ ’’منصب‘‘ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

عبوری نگران سیٹ اپ بڑی پھرتیاں دکھا رہا ہے، ڈالروں کی نہریں، سرمایہ کاری کے سمندر، گوادر کی ترقی، سی پیک کی نوید سحر، علاوہ ازیں اب ملک کو زراعت کا سبزہ زار بنانے کی بلند پروازیوں کا بھی بازار سرگرم ہے۔ افغانستان سے ٹی ٹی پی، حافظ صاحب بہادر، بھی پاکستان میں فسادی کارروائیوں کے لئے اخباری اطلاعات کے مطابق سرگرم ہے۔

جیسے کیسے ملک میں الیکشن کمیشن نے ۸ رفروری کو ملک بھر میں عام انتخابات کا اعلان کرکے میدان سیاست کو گرمی بیان وزبان کا سامان کردیا۔ اس کے بدلے میں پہلے دس ارب مل گئے اور اب مزید سترہ ارب اور الیکشن اخراجات کے لئے وزارت خزانہ نے دینے کا اعلان کردیا ہے۔

جناب میاں محمد نواز شریف مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ کی زیارت، عمرہ وطواف کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوکر پاکستان تشریف لاکر ن لیگ کو نرم وگرم ماحول کے لئے لیس کررہے ہیں۔

پاکستان کی عدلیہ کی عدل گستری پر قربان، اسی عدالت نے سالوں پہلے نواز شریف کو نااہل قرار دے کر سیاست سے علیحدہ کیا۔ اب کے نواز شریف کو اسی عدالت نے کوثر وتسنیم سے دھوکر تراشیدہ ہیرا بنادیا ہے۔ کیسوں سے بری کرنے کا سلسلہ شروع ہے۔ نااہلی، اہلیت میں بدلی جارہی ہے۔ اسیر کو وزیر، وزیر ہی نہیں وزیر اعظم بنایا جارہا ہے۔

جناب بلاول زرداری وزیر اعظم بننے کے لئے بہت بے تاب ہیں وہ بڈھے کھوسٹ لوگوں کو لائن حاضر کرنے کے احکامات جاری کررہے ہیں۔ جناب زرداری صاحب پاکستان کی باتیں، دبئی میں جاکر بلاول کو راضی کررہے ہیں۔

آج کے اخبارات میں بیان ہے کہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے لاہور میں میاں محمد نواز شریف سے ملاقات کرکے ''سندھ ہم خیال اتحاد خیبر پختون خوا، بلوچستان میں سیٹ ایڈجیسٹمنٹ پر اتفاق رائے کا اعلان کیا۔ دونوں پارٹی سربراہوں نے متفقہ صدارتی امیدوار لانے کا بھی اعلان کیا۔ سندھ میں امیدواروں کا فیصلہ ن لیگ کے بشیر میمن، جمعیۃ علماء اسلام کے راشد سومرو اور ایم کیو ایم نامزد کریں گے۔

غرض الیکشن کا ڈول ڈالا جاچکا، الیکشن کی گہما گہمی، الیکشن کا شیڈول آنے کے بعد مزید شدت وحدت کا رنگ پکڑے گی۔ باتیں تو بہت ہیں لیکن آئندہ کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔

ہاں بھول نہ جائیں، عون چوہدری نے عمران خان کی بات کو اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ قرار دیا۔ لیکن مخدوم گرامی حضرت مولانا محمد خان شیرانی ان کی جماعت کے ساتھ الیکشن میں اتحادی ہوں گے۔

ساری دنیا کے اہل اسلام اور مسلم حکمران فلسطینی آزاد خودمختار ریاست کے قیام اور بیت المقدس کی تولیّت فلسطین کو دینے کی آواز بلند کررہے ہیں۔ مولانا عمار ناصر صاحب اور حضرت شیرانی بیت المقدس کی تولیّت کو اسرائیل کا حق قرار دیتے ہیں۔ اسی کو کہتے ہیں رادھا ناچنے کے لئے سومن تیل چاہئے۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

ضروری اعلان

کاغذ کی گرانی، پرنٹنگ، ڈاک خرچ میں ہوشربا اضافہ کے سبب ہفت روزہ ختم نبوت کی انتظامیہ رسالہ کی قیمت بڑھانے پر مجبور ہے، لہٰذا مشورہ کے بعد یکم جنوری 2024ء سے فی شمارہ 25 روپے اور زرِسالانہ 1200 روپے طے پایا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے قارئین اپنا تعاون جاری رکھیں گے۔ (ادارہ)

مسئلہ فلسطین

یہود کا دعویٰ اور امتِ مسلمہ کا موٴقف

مولانا محمد اسماعیل ریحان

غزہ پر اسرائیل کے بہیمانہ حملوں کے تناظر میں اس وقت فلسطین دنیا کا اہم ترین مسئلہ بن چکا ہے اور اس بات کا خطرہ ہے کہ اگر اس مسئلے کا منصفانہ حل نہ نکالا گیا تو کہیں یہ جنگ دیگر ممالک تک نہ پھیل جائے۔ یہود کا دعویٰ ہے کہ فلسطین اُن کا آبائی وطن اور بیت المقدس اُن کا مقدس مقام ہے، لہٰذا وہی اس کے وارث ہیں۔ لگ بھگ ڈھائی ہزار سال سے یہودی یہی ارمان پالتے آئے ہیں کہ کسی طرح وہ یروشلم کو دوبارہ حاصل کریں اور وہاں ہیکل سلیمانی کی از سرِ نو تعمیر کریں تاکہ وہاں عالمگیر بادشاہ (دجال) اپنا تخت نصب کرے اور عالمگیر حکومت قائم کرے۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے ناجائز قیام اور ۱۹۶۷ء میں اردن پر حملے اور بیت المقدس پر غاصبانہ قبضے کے بعد صہیونیوں کی خواہشات کی تکمیل کا وقت قریب آ گیا تھا، تاہم اس وقت امریکا کو روس سے مقابلے کے لئے عالم اسلام کی ضرورت تھی اور مسلمانوں کے شدید ردِعمل کے خطرے کے باعث امریکی زعماء اسرائیل کی خواہش پر عمل درآمد کو ٹالتے رہے۔ مگر سوویت روس کی شکست و ریخت کے بعد حالات بدل گئے اور امریکا خود کو دنیا کی واحد سپر پاور سمجھنے لگا۔ اس کے بعد سے تا حال وہ پاکستان، سعودی عرب اور ترکی کے سوا مسلم دنیا کے ان تمام طاقتور ممالک کو نہتا کر چکا ہے جنہیں سرد جنگ، جنگِ ویت نام اور جنگِ افغان کے دوران ہتھیاروں سے لیس کیا گیا تھا۔

پاکستان کو معاشی طور پر تقریباً دیوالیہ کر دیا گیا جبکہ سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک کو اسرائیل کے حوالے سے نرمانے کی پالیسی بھی کامیابی سے آگے بڑھ رہی ہے، اسی لئے حالیہ اسرائیل حماس جنگ میں امریکا کھلم کھلا اسرائیل کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا ہے، دوسری طرف میڈیا کے محاذ پر اسرائیل کا ہم نوا طبقہ اس کی حمایت میں مختلف دلائل (چاہے خود ساختہ سہی) جمع کر کے مختلف رسائل و جرائد، بین الاقوامی سطح کے علمی فورمز اور عالمی ذرائع ابلاغ پر پیش کر رہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فلسطین پر فقط یہود کا حق ہے۔

یہودی ذرائع ابلاغ اور ان کے ایجنٹ اس حوالے سے دو بڑے دلائل پیش کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ نسلی طور پر فلسطین یہودیوں کا ہے۔ دوسرے یہ کہ تاریخی لحاظ سے یہ یہود کا وطن ہے۔ درحقیقت یہ دونوں مغالطے ہیں، راقم دونوں کے بارے میں الگ الگ کچھ معروضات پیش کر رہا ہے۔

موجودہ اسرائیل کے یہودی کیا اولادِ اسرائیل ہیں؟

یہودی خود کو انبیاء بنی اسرائیل کی اولاد قرار دیتے ہیں اور دنیا یہود کے اس دعوے پر یقین بھی کرتی ہے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی اکثریت بھی یہودیوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اسے تسلیم کرتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ زمانہ حال کے یہودیوں کی اکثریت انبیاء کی نسل سے ہرگز نہیں۔ یہود کی اکثریت اپنی انفرادی اور نسلی پہچان زمانہ دراز سے کھو چکی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل پہلوؤں پر غور کریں:

۱:... ہر کوئی مشاہدہ کر سکتا ہے کہ یہودیوں کے رنگ و روپ، خدوخال اور زبان و ثقافت میں بہت فرق پایا جاتا ہے۔ ان کی اکثریت یورپ کی مختلف قوموں سے ملتی جلتی ہے۔ ان کی بہت بڑی تعداد ترکوں اور روسیوں کے مشابہ ہے۔ اگر کوئی قوم اپنی نسلی خصوصیات کو باقی رکھے تو یہ تفاوت نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر کوئی قبیلہ یہ طے کر لے کہ ہم کسی اور قبیلے میں نکاح نہیں کریں گے تو اس کے افراد کی شکلیں آپس میں بہت ملتی جلتی ہوں گی، مثلاً افریقی قبائل۔ ایسے قبائل کے افراد اپنی شکلوں ہی سے پہچان لئے جاتے ہیں۔ یہودیوں میں یہ انفرادیت باقی نہیں رہی۔

۲:... یہودیوں کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ مذہب کی رُو سے ان کے ہاں دوسری اقوام سے رشتے ناتے نہیں ہوتے۔ اس لئے ان کی نسل خالص چلی آ رہی ہے۔ یہ بھی ایک مغالطہ اور سراسر دھوکا ہے۔ بائبل کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام نے غیر اقوام کی لڑکیوں سے شادیاں کی تھیں۔

(عہد نامہ عتیق، سلاطین:۱، ملوک ۱:۱۱۔۴)

اسی طرح بائبل کے مطابق مشہور یہودی حسینہ اُستیر ایرانی بادشاہوں کے حرم میں تھی۔ اس عورت کو یہودی اپنی تاریخ کی عظیم شخصیت شمار کرتے ہیں۔ الغرض یہودی مذہب دیگر قوموں سے رشتے ناطے کرنے سے مانع نہیں اور وہ یہ رشتے ناطے کرتے آئے ہیں جسے تاریخ بھی ثابت کرتی ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ عہدِ موسوی کے بعد ایک مدت تک دنیا کی دیگر قوموں کی طرح یہود بھی آپس ہی میں رشتوں ناطوں کے عادی ہوں مگر جیسے جیسے دنیا میں معاشرتی تعلقات وسیع ہوتے گئے اور مختلف اقوام آپس میں مخلوط ہونے لگیں ویسے ویسے یہودی بھی دوسری قوموں سے رشتے کرکے ان میں مخلوط ہونے لگے۔ دورِ حاضر میں ایسے غیر یہودی جنہوں نے یہودی لڑکیوں سے شادیاں کیں یا وہ یہودی جنہوں نے غیر اقوام کی لڑکیوں سے شادیاں کیں، دنیا میں ہر جگہ مل جاتے ہیں۔ یورپی یہودیوں میں ایسے افراد کم ہیں جن کے ماں باپ دونوں یہودی النسل ہوں، اکثر افراد ایسے ہیں جن کی ماں یہودن ہے تو باپ کرسچن، باپ یہودی ہے تو ماں کرسچن۔ عہدِ حاضر کی بہت سی مشہور شخصیات اس زمرے میں ہیں جن میں سے بعض سے قارئین بھی واقف ہی ہوں گے۔ غرض یہ ثابت ہے کہ صدیوں سے یہودیوں نے دیگر اقوام سے ازدواجی تعلقات قائم کر رکھے ہیں، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اب تک انبیاء کی نسلِ خالص چلے آرہے ہوں؟

۳:...تاریخی شہادت موجود ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی کے اواخر میں بحیرۂ کیسپین کے پاس آباد روس کی ایک ریاست کے باشندوں نے اجتماعی طور پر یہودیت قبول کرلی تھی، جسے سلطنتِ خزر کہا جاتا تھا۔ بڑھتے بڑھتے یہ سلطنت مغرب میں یورپ تک اور مشرق میں آرمینیا اور آذربائی جان تک وسیع ہوگئی۔ اس وقت روس، پولینڈ، رومانیہ اور دیگر یورپی ممالک میں جو یہودی ہیں، وہ اسی سلطنتِ خزر کے باشندوں کی نسل سے ہیں یہ وہ یہودی نہیں جن کے آباؤ اجداد کبھی فلسطین میں تھے، جن کے بارے میں بنی اسرائیل ہونے کا امکان تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

۴:...فلسطین میں آباد یہودیوں کی اکثریت گزشتہ صدی میں یورپ سے آئی ہے۔ فلسطین کے اندر مقامی یہودی جو صدیوں سے یہاں آباد تھے، چند ہزار سے زیادہ نہیں تھے، مگر اس وقت تمام یہودی خود کو فلسطینی اور بنی اسرائیلی قرار دے رہے ہیں۔

ان دلائل سے واضح ہوجاتا ہے کہ موجودہ یہودیوں کا خود کو بنی اسرائیل قرار دینا ایک فریب کے سوا کچھ نہیں۔ ان کا نسب خالص رہا ہے نہ ان میں خصوصیات نسلی باقی ہیں۔ وہ خالص نسلِ یعقوبی ہرگز نہیں، ان میں کئی قوموں کا خون شامل ہے، ہاں کچھ خصوصیات مثلاً حرص، حسد، تکبر، سود خوری وغیرہ ان میں ضرور مشترک ہیں مگر انہیں نسلی نہیں، قومی خصوصیات کہا جائے تو بہتر ہے۔ آج کی یہودی ایک نسل نہیں ہیں، ہاں مشترکہ معتقدات اور اہداف کی حامل ایک قوم ضرور ہیں، جس طرح مسلمانوں میں ہر نسل ہر رنگ کے لوگ ہیں، اسی طرح یہود میں بھی مختلف قوموں اور انداز و اطوار کے لوگ شامل ہیں۔ لیکن مسلمان تو یہ دعویٰ کرتے ہی نہیں کہ وہ کسی خصوصی اعلیٰ و برتر نسل کے افراد ہیں، اسلام عالمگیر ہے جو ہر نسل، ہر قوم اور ہر علاقے کے لئے ہے۔ مگر یہودی جھوٹے منہ اس دعوے کا پرچار کرتے آرہے ہیں کہ ہم انبیاء کی نسل سے ہیں اور دنیا کی قیادت بھی صرف ہمارا حق ہے۔

ارضِ مقدس کی وراثت کا تعلق نسل سے نہیں نظریئے سے ہے:

ارضِ مقدسہ کی وراثت کا تعلق نسل سے نہیں عقیدے اور نظریئے سے ہے۔ اگر بالفرض چند یا سارے یہودی انبیاء کی نسل سے ثابت ہو بھی جائیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ قرآن کریم کے علاوہ خود بائبل میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ جب کسی نے اپنے نبی کے دین سے سرتابی کی تو اس پر خدا کا غضب نازل ہوا اور نسلی تعلق اس کے کچھ کام نہ آیا، اس لئے یہودیوں کا نسلی تفاخر بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔

یہ بات خود یہود بھی عملاً تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ اگر آپ کسی یہودی سے پوچھیں تمہاری نسل کا کوئی بندہ یا کوئی گروہ مسلمان ہوجائے تو تمہارے نزدیک وہ خدائی وعدے اور القدس کی تولیت کا حق دار رہے گا۔ یقیناً اس کا جواب ہوگا: ہرگز نہیں!

اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ وہ خود بھی مانتے ہیں کہ القدس کی وراثت نسلی بنیاد پر نہیں نظریئے کی بنیاد پر ہے۔ پس یہود کو چاہئے کہ نسلِ انبیاء ہونے کے فضول دعوے کو لے کر اپنا مقدمہ لڑنا چھوڑ دیں اور اس پر بحث کریں کہ سچا دین کس کا ہے؟ علمائے اسلام ثابت کردیں گے کہ اسلام ہی سچا دین ہے اور یہود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے بغیر ملتِ ابراہیمی اور دینِ موسوی کے پیروکار بھی ہرگز نہیں ہوسکتے۔ پس فلسطین اور القدس کے حوالے سے ان کا دعویٰ بھی جھوٹا ہے۔

تاریخی لحاظ سے بھی فلسطین یہود کا نہیں:

حال ہی میں اسرائیل کے وزیر اعظم نیتن

یاہو نے ایک بیان میں کہا ہے کہ:''یہود فلسطین کی سب سے قدیم آبادی ہیں۔ وہ ساڑھے تین ہزار سال قبل اس سرزمین پر آباد تھے اور مدتِ دراز تک ان کی نسلیں یہاں پھلتی پھولتی رہیں۔ پھر انہیں یہاں سے ظالمانہ طور پر بے دخل کیا گیا۔ صدیوں کی جدوجہد کے بعد وہ دوبارہ یہاں اپنا وطن بنانے میں کامیاب ہوئے تو اس پر مسلمانوں کو اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ فلسطینی ان کے ساتھ رہنا چاہیں تو یہودی انہیں برداشت کر سکتے ہیں مگر فلسطین پر ان کے حق دعویٰ تسلیم نہیں کر سکتے۔'' یہ بیان یوٹیوب پر موجود ہے۔

نیتن یاہو اور اس کا ہمنوا دجالی میڈیا ہمیں فقط ساڑھے تین ہزار برس پہلے کی تاریخ دکھاتا ہے جب یہود بیت المقدس میں آباد تھے۔ مگر تاریخ بتاتی ہے کہ اس سے پہلے ارضِ مقدس بہت سے سامی اور غیر سامی قبائل کا وطن رہی ہے۔ آموری، فلستی، موآبی، ادومی وغیرہ یہاں پہلے سے آباد تھے۔ عبرانی بولنے والے یہودی بہت بعد میں (آج سے ڈھائی ہزار سال قبل) یہاں حملہ آوروں کے طور پر آئے تھے۔ یہاں انہوں نے اسی طرح قبضہ کیا تھا جس طرح وسطِ ایشیا کے آریاؤں نے پنجاب اور گنگا جمنا کی وادیوں پر قبضہ کیا۔

کسی تاریخی شہادت سے یہ ثابت کرنا ممکن نہیں کہ یہود ارضِ مقدس میں آ کر وہاں کی اکثریت بن گئے تھے۔ اس کے برخلاف یہ شہادتیں موجود ہیں کہ یہود کے ساتھ آموری، ادومی، فلستی اور موآبی قبائل جو پہلے سے یہاں بس رہے تھے وہ اس دوران بدستور ارضِ مقدس میں آباد رہے۔ پھر یہودیوں کی یہ آبادی ارضِ مقدس میں فقط پانچ صدیوں تک رہی۔ اس کے بعد انقلاباتِ زمانہ نے انہیں ارضِ مقدس سے نکال دیا، یہاں تک کہ اس بے دخلی کو دو ہزار برس گزر گئے۔

یاد رہے کہ یہ بے دخلی مسلمانوں کے ہاتھوں نہیں ہوئی۔ یہ کام بابل کے بخت نصر اور رومی بادشاہوں کے ہاتھوں ہوا۔ ان کی جلاوطنی کے دوران غیر یہودی قبائل، جو ان سے پہلے سے وہاں بستے تھے، اسی طرح وہاں آباد رہے۔ ہاں کچھ یہودی بھی ان علاقوں میں پائے جاتے تھے، جو رومی دور میں بدترین مصائب کا شکار تھے۔ اسی بدحالی سے بچنے کے لئے یہود کے بہت سے قبائل جزیرۃ العرب میں خیبر، وادی القریٰ اور یثرب میں آباد ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتداً یہود سے اچھے تعلقات کی کوشش کی، جس کا ثبوت میثاقِ مدینہ ہے مگر خود یہود کی عہد شکنیوں کے باعث انہیں مدینہ سے نکالا گیا۔ مسلمانوں نے ساتویں صدی عیسوی (پہلی صدی ہجری) میں بیت المقدس سمیت سارا اردن، فلسطین اور شام فتح کر لیا۔ فتح کرنے والے مسلمان یعنی صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ تعداد میں بہت کم تھے۔ ان کے گھرانے جو اردن اور شام میں آباد ہوئے، مقامی لوگوں کی تعداد کا چوتھائی بھی نہیں تھے۔ انہوں نے کسی کو زبردستی مسلمان نہیں کیا۔ کسی کو جبراً عربی بولنے پر مجبور نہیں کیا۔ یہودیوں کو بھی مسلمانوں نے رومیوں کے برابر حیثیت دی اور انہیں ذمیوں والے تمام حقوق دیئے اور انسان کے طور پر ان کی عزت نفس بحال کی۔

اسی زمانے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت: ''اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب'' کے مطابق خلفائے راشدین نے غیر مسلموں کو جزیرۃ العرب سے نقل مکانی کا حکم دیا۔ اس نقل مکانی کے نتیجے میں جو یہودی جزیرۃ العرب سے دوبارہ شام میں آباد ہوئے، انہیں قدیم دور کی بہ نسبت بہت سازگار ماحول ملا۔ اب بازنطینیوں کے مظالم اور پادریوں کا انسانیت سوز تعصب نہ تھا بلکہ ہر طرف اسلام کی سلامتی اور مہربانی سے معطر فضا تھی۔

مسلمانوں کے اخلاق اور ان کے عدل و انصاف کو دیکھ کر قدیم مقامی لوگ (جن کی اکثریت عرب نصرانی تھی) تیزی سے مسلمان ہوتے چلے گئے۔ انہوں نے مسلم کلچر کو اپنا لیا اور ایک صدی کے اندر اندر اس معاشرے میں ضم ہوگئے۔ ان کی مسلمانوں سے شادیاں ہوئیں اور انہی کی نسل آج تک شام، اردن اور فلسطین کی اکثریت ہے۔ بہت سے لوگ اپنے سابقہ مذاہب پر رہے، ان پر بھی کوئی جبر نہیں کیا گیا۔ یہ لوگ ان نسلوں سے ہیں جو یہودیوں سے پہلے سے یہاں آباد تھیں اور ان کے بعد بھی آباد رہیں۔ انہی کی باقیات کو فلسطینی عرب، شامی عرب، عرب مسیحی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ نیز بہت سے یہودی بھی مسلمان ہو کر ان کے رنگ میں رنگے گئے اور سابقہ امتیازات ختم کر کے مسلم معاشرے میں گھل مل گئے۔

درحقیقت اسلامی خلافت کی تیرہ صدیاں یہودی تاریخ کا سب سے سنہرا دور تھا، جس میں وہ جزیرۃ العرب کے سوا مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے عالم اسلام کے کسی بھی حصے میں اسلام کی دیئے ہوئے تمام شہری حقوق کے ساتھ رہ سکتے تھے۔ ان تیرہ صدیوں میں یہود کی کسی آبادی کو غلام نہیں بنایا گیا۔ ان کی عبادت گاہیں محفوظ تھیں۔ انہیں نقل مکانی پر مجبور نہیں کیا گیا۔ وہ آزادی سے تجارت کر رہے تھے اور مختلف علوم وفنون میں

مہارت حاصل کرکے خوشحال شہریوں کی طرح رہ رہے تھے۔ ہاں اس زمانے میں جو یہودی یورپ میں تھے، وہ نصاریٰ کے ہاتھوں طرح طرح کے مصائب کا شکار ہوتے رہے۔ اس ابتلاء کی وجہ یورپین یہودیوں کی اپنی سازشیں اور شرارتیں تھیں، جن کے باعث انہیں بار بار ایک ملک سے دوسرے ملک میں دھکیلا گیا۔ مسلمانوں کا اس میں کوئی دخل نہ تھا۔

جب یورپ ان سے تنگ آگیا تو وہاں کے بادشاہوں نے انہیں فلسطین اور بیت المقدس کا ’’حق ملکیت‘‘ یاد دلا کر ان کی مکاری اور بدطینتی کا رُخ عالم اسلام کی طرف کردیا۔ چنانچہ سلطنت عثمانیہ کو سب سے پہلے نشانے پر رکھا گیا۔ نپولین نے مشرق وسطیٰ پر قبضے کے لئے یہودی سرمایہ داروں کو ’’ارضِ مقدس میں آزاد وطن‘‘ کے خواب دکھائے اور ان کی بھرپور مدد وحمایت حاصل کی۔ انہی عالمی طاقتوں کی سرپرستی میں یہودی صحافی تھیوڈور ہرزل نے جدید صہیونیت کی داغ بیل ڈالی اور ۱۸۹۶ء کی پہلی عالمی صہیونی کانفرنس میں فلسطین پر قبضے کا خاکہ طے کردیا گیا۔ سلطان عبدالحمید خان ثانی کے خلاف سازشوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا اور ان کی معزولی کے بعد خلافت کے اختیارات تقریباً سلب کرلئے گئے۔ جلد ہی پہلی جنگ عظیم برپا کرائی گئی جس کے خاتمے پر سلطنت عثمانیہ بھی ختم ہوگئی اور ۱۹۱۸ء میں اعلان بالفور کے ساتھ ہی اسرائیل کے قیام کا فیصلہ کرلیا گیا۔ فلسطین میں یہودی بستیوں کے ناجائز قیام کا سلسلہ تیز کردیا گیا اور آخر ۱۹۴۸ء میں فلسطین کو جہاں اس وقت بھی واضح مسلم اکثریت تھی، یہود کے حوالے کر کے اسے ’’اسرائیل‘‘ کا نام دے دیا گیا۔ اس کے بعد اسرائیل نے دنیائے عرب پر مسلسل جنگیں مسلط رکھیں اور ۱۹۶۷ء میں اردن پر حملہ کرکے بیت المقدس پر بھی قابض ہوگیا۔ یہودی جلد از جلد گریٹر اسرائیل بنانا چاہتے تھے، جس کی سرحدیں اسرائیل کے پرچم پر بنی دو نیلی پٹیوں کے مطابق نیل سے فرات تک طے کی جاچکی ہیں اور اسرائیل دن بدن اپنے اس ایجنڈے کی تکمیل کے لئے قدم بقدم آگے بڑھ رہا ہے۔

اس تمام تر تاریخی تناظر کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی کہہ سکتا ہے بیت المقدس یا اسرائیل کبھی کسی دور میں یہود کا اصل وطن رہا ہے؟ اگر پانچ سو سال رہنے کے باعث یہ ان کا وطن ہے تو ان سے کہیں زیادہ یہ ان آموری، فلستی، فینقی، موآبی اور دیگر نسلوں کا وطن ہے جو یہود سے پہلے بھی یہاں آباد رہیں اور ان کے بعد بھی یہیں رہے۔ اگر ان کی اکثریت نے اپنی خوشی سے اسلام قبول کرلیا تو کیا اس وجہ سے وہ اس سرزمین کے حق سے ہی محروم ہوگئے جہاں وہ ہزارہا سال سے آباد ہیں۔ اگر ان کے آباؤاجداد نے عربوں سے رشتے ناطے کرلئے تو کیا یہ اتنا بڑا جرم تھا کہ انہیں اپنے ہی ملک میں مہاجر بن کر خیمہ بستیوں میں رکھا جارہا ہے؟ کون سی ایسی قوم ہے جس نے دوسری نسلوں سے رشتے استوار نہیں کئے؟ اور دوسرے مذاہب کو اختیار نہیں کیا؟ اگر یہ جرم ہے تو پھر ایسی تمام اقوام دنیا کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی ہیں، کیا انہیں یہ سزا دی جاسکتی ہے؟

اور سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ کیا کوئی قوم کسی علاقے کو فتح کرکے وہاں مقامی قبائل کے ساتھ چند صدیاں گزارنے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہاں کی وارث ہوجاتی ہے؟ اور اگر زمانے کی گردش اسے وہاں سے نکال دے تو کیا اس کے ہزاروں برس بعد بھی اس زمین کی ’’الاٹمنٹ‘‘ اسی کے نام باقی رہتی ہے؟

اگر واقعی ایسا ہے تو اس اصول کے مطابق فلسطین بھی مسلمانوں کا حق ہے اور اندلس بھی۔ یہودی تو ارضِ مقدس میں پانچ صدیوں تک ہی رہے ہیں جبکہ مسلمانوں نے دورِ خلافت راشدہ سے قیام اسرائیل تک فلسطین میں تیرہ صدیاں گزاری ہیں۔ اندلس میں بھی وہ کم از کم آٹھ صدیاں رہے تھے۔ انہوں نے وہاں بھی اسی طرح عدل وانصاف سے حکومت کرکے لوگوں کے دل و دماغ جیتے۔ انہیں علم اور ایمان کی روشنی دی۔ وہاں رشتے ناتے کئے۔ اس سرزمین کو علوم وفنون سے آباد کیا۔ کیا اندلس ان کا حق نہیں؟ یہودی پانچ سو سال بیت المقدس میں اور دو ہزار سال سے زائد طویل مدت تک اس سے باہر رہے۔ اس کے بعد بھی وہ اسے اپنا موروثی حق کہتے ہیں، جبکہ عرب اسپین میں آٹھ صدیوں تک رہے اور انہیں وہاں سے نکلے ہوئے فقط سوا پانچ صدیاں ہی ہوئی ہیں۔ بیت المقدس میں یہود کے دورِ قدیم کی اکا دکا نشانیاں ہی باقی ہیں اور وہ ابھی اصل حالت میں نہیں۔ اسپین میں آج بھی عربوں کی تہذیب و ثقافت اور ان کی محیر العقول تعمیرات کے تابندہ نقوش اصل حالت میں جابجا دکھائی دیتے ہیں۔

اقبال کے اس دعوے کا جواب آج بھی سرپرستانِ یہود پر قرض ہے:

ہے خاکِ فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہلِ عرب کا

☆☆ .... ☆☆

صہیونیت اور اسرائیل

تاریخی پس منظر

حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ

چوتھی قسط

☆فلسطین پر فلسطینیوں کا حق:

اس سلسلے میں ایک چھوٹا سا مکالمہ ذکر کرنا چاہوں گا، میرا ایک دفعہ لندن میں ایک یہودی سے مکالمہ ہوا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ یہودی فلسطین چھوڑ جائیں، ہمارا موقف تو یہی ہے کہ ہم یہودیوں کو وہاں کا جائز باشندہ تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں وہ فلسطین کو خالی کریں۔ اس نے کہا: بات یہ ہے کہ ہم نے تو فلسطین کا بہت سا حصہ پیسے دے کر خریدا ہے، تو آپ کیسے کہتی ہیں کہ ہم وہاں آباد ہونے کی پوزیشن میں نہیں ہیں جبکہ ہم نے پیسے دیئے ہیں ڈبل، ٹرپل قیمت ادا کی ہے اور جگہ خریدی ہے۔ میں نے کہا: تم نے خریدی ہوگی لیکن فلسطینی تو دنیا میں دربدر ہیں۔ اس وقت دنیا میں مہاجرین سب سے زیادہ فلسطینی ہیں۔ اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق تقریباً پچاس لاکھ فلسطینی دنیا کے مختلف کونوں میں مہاجر کی حیثیت سے رہ رہے ہیں۔ اگرچہ وہاں سے اچھی زندگی گزار رہے ہیں لیکن مہاجر کی حیثیت سے۔ ان کا اسٹیٹس مہاجر اور پناہ گزین کا ہے۔ میں نے کہا فلسطینی دنیا بھر میں دربدر ہیں تو اس نے کہا کہ اگر آپ اپنا مکان مجھ پر بیچ دیں اور مجھ سے پیسے لے لیں تو اس کے بعد آپ کی مرضی ہے جہاں رہیں۔ میرا کیا دردِ سر ہے، چاہے آپ خیمے میں رہیں یا فٹ پاتھ پر رہیں۔ جب آپ نے اپنی زمین بیچ دی ہے، مجھ سے پیسے لئے ہیں بلکہ ڈبل پیسے لئے ہیں، جب میں نے قبضہ لے لیا تو اب آپ کہتے ہیں کہ میرا مکان واپس کرو، اب آپ کو کیوں واپس کروں؟ اب وہ مکان آپ کا نہیں بلکہ میرا ہے۔ جب میں نے آپ کی رضامندی سے خریدا ہے، زبردستی قبضہ نہیں کیا تو اب آپ کو آباد کرنا تو میری ذمہ داری نہیں ہے کہ آپ کو مکان بنا کر دوں۔ آپ نے پیسے لے لئے ہیں، اب جائیں۔ میرے پاس اس کی اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا، مگر میں نے اس کو یہ جواب دیا کہ جو جگہ تم نے خریدی تھی وہ تو ٹھیک ہے، لیکن جو ۱۹۶۷ء کی جنگ میں تم نے زبردستی قبضہ کیا تھا وہ تو خالی کرو۔

اقوام متحدہ کے ذریعے اسرائیلی ریاست کا قیام:

یہودیوں نے اس طریقے سے فلسطین میں اپنی آبادی بنائی اور ایک وقت آیا کہ انہوں نے ایک علاقے میں منصوبہ کے مطابق اپنی اکثریت بنا کر اقوام متحدہ سے درخواست کی کہ یہ علاقہ ہماری اکثریت کا ہے، اس لئے ہمیں یہاں حکومت کا حق دیا جائے۔ برطانیہ پہلے ہی ان کا پشت پناہ تھا اور وعدہ کر چکا تھا۔ امریکا اور روس کی حمایت بھی انہیں حاصل تھی تو اقوام متحدہ نے ۱۹۴۵ء میں فلسطین کو تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا کہ یہ حصہ اسرائیل کے نام سے الگ ریاست ہوگی اور یہ فلسطین ہوگا۔ اقوام متحدہ نے باقاعدہ یہ تقسیم کی اور اس تقسیم کے مطابق ۱۹۴۸ء میں برطانیہ وہاں سے نکلا اور اسرائیل کی ریاست قائم ہوئی، اس کو امریکا، برطانیہ، روس اور اقوام متحدہ سب نے تسلیم کیا۔ جب اسرائیل کی ریاست وجود میں آگئی تو اس کے بعد اردگرد کے ممالک کی اسرائیل سے جنگ ہوئی۔ مصر اور شام نے جنگ کے ذریعے اسرائیل کو ختم کرنے کی کوشش کی، لیکن عالمی طاقتیں اسرائیل کے ساتھ تھیں تو عربوں کو شکست ہوئی اور اسرائیل کا وجود مستحکم ہوگیا جو باقاعدہ حکومت تسلیم کر لی گئی۔ جس کی فلسطینیوں نے بھی مزاحمت کی، یاسر عرفات مرحوم اور دوسرے حضرات نے مزاحمت کی، تحریک شروع کی اور فلسطینیوں نے اقوام متحدہ کے اس فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، یہ کشمکش چلتی رہی۔

۱۹۶۷ء میں اسرائیل کا بیت المقدس پر قبضہ:

۱۹۶۷ء میں ایک اور عرب اسرائیل جنگ ہوئی۔ مصر، شام اور اردن ایک طرف تھے، اسرائیل دوسری طرف تھا۔ مصر، شام اور اردن نے مل کر اسرائیل پر حملہ کیا، لیکن اسرائیل نے ان تینوں کو خوفناک شکست دی اور بیت المقدس جو اردن کی تحویل میں تھا، اس پر قبضہ

کرلیا۔ اردن سے بیت المقدس چھین لیا، مصر سے صحرائے سینا چھین لیا اور شام سے گولان کی پہاڑیاں چھین لیں۔ ۱۹۶۷ء سے بیت المقدس اسرائیل کے پاس چلا آرہا ہے اور ابھی تک یہ تنازعہ چل رہا ہے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ اسرائیل آزاد خودمختار حکومت ہے۔ عالمی قوتیں اس کی پشت پر ہیں۔ یورپی یونین، امریکا اور روس اس کے ساتھ ہے۔ فلسطین ابھی تک آزاد ریاست تسلیم نہیں کیا جاسکا، حالانکہ اقوام متحدہ نے ۱۹۴۵ء میں تقسیم کردیا تھا کہ یہ حصہ فلسطین کے نام سے الگ ریاست ہوگی اور یہ حصہ اسرائیل کے نام سے الگ ریاست ہوگی۔ اقوام متحدہ نے فلسطین کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا: (۱) ایک حصہ یہودی اکثر آبادی پر مشتمل اسرائیل۔ (۲) دوسرا فلسطین۔ (۳) اور تیسرا متنازعہ علاقے کے طور پر اردن کی تحویل میں۔ بیت المقدس نہ اسرائیل کو دیا اور نہ فلسطین کو، بلکہ عارضی طور پر اردن کی تحویل میں دے دیا کہ اس کا فیصلہ بعد میں بین الاقوامی سطح پر کریں گے۔ اب جو اسرائیل کا باضابطہ نقشہ ہے اس میں بیت المقدس اسرائیل کا حصہ نہیں، بلکہ اردن کا حصہ ہے۔ بیت المقدس متنازعہ سمجھا جارہا ہے، اقوام متحدہ بھی اسے متنازعہ ہی کہتی ہے، جس کا فیصلہ ہونا باقی ہے۔ اس دوران اسرائیل نے اسے دارالحکومت قرار دینے کا اعلان کردیا کہ بیت المقدس ہمارا دارالحکومت ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ملکوں کے سفارت خانے دارالحکومت میں ہوتے ہیں تو اس پر عالم اسلام نے احتجاج کیا اور کہا کہ جو ملک بھی اپنا سفارت خانہ وہاں لے جائے گا، ہم اس کے بارے میں پالیسی طے کریں گے کہ اس کا ہمارے ساتھ کیا تعلق ہے۔

اسرائیل کے بارے میں عالمِ اسلام کا موقف:

شروع میں تمام عالم اسلام کا ایک ہی موقف تھا کہ اسرائیل ایک ناجائز ریاست ہے، اس کو قائم رہنے کا حق نہیں ہے، اس کو ختم ہو جانا چاہئے اور فلسطین پورے کا پورا فلسطینیوں کو واپس ملنا چاہئے۔ یہ عالم اسلام کا متفقہ موقف تھا، لیکن اس وقت عالم اسلام اور عالم عرب اسرائیل کے حوالے سے دو کیمپوں میں تقسیم ہے۔

۱:... ایک کیمپ جس میں پاکستان، سعودی عرب، ایران اور کچھ اور ممالک بھی ہیں، یہ سرے سے اسرائیل کے وجود کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ ہمارے پاسپورٹ میں لکھا ہوتا ہے کہ یہ پاسپورٹ اسرائیل کے لئے کارآمد نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اسرائیل کو جائز ریاست تسلیم نہیں کرتے بلکہ اسے ناجائز ریاست سمجھتے ہیں۔ صدر صدام حسین مرحوم کو جب پھانسی دی گئی تو اس کی وجوہات میں عراق کے مقامی مسائل بھی تھے، لیکن مشرق وسطیٰ کے حوالے سے وہ اسرائیل کا سخت ترین مخالف تھا، یہودیوں کا دشمن اور فلسطینیوں کا سخت حامی تھا۔ جب صدام حسین کو پھانسی دی جارہی تھی تو اس کی زبان پر آخری جملہ یہ تھا کہ اس نے اعلان کیا: ”فلسطین فلسطینیوں کا ہے، پھر اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ“ تک کلمہ پڑھا تھا کہ رسی کھینچ دی گئی اور وہ شہید ہوگیا، چنانچہ ایک موقف یہ ہے کہ فلسطین پورے کا پورا فلسطینیوں کا ہے، یہود نے غاصبانہ اور ناجائز قبضہ کیا ہوا ہے۔ اسرائیل کی ریاست ناجائز ریاست ہے۔

۲:... لیکن ہمیں یہ نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ بہت سے مسلم ممالک اسرائیل کو تسلیم کرتے ہیں۔ ترکی، مصر، اردن، قطر اور شام نے اسرائیل کو تسلیم کیا ہے اور ان سے امریکا نے تسلیم کرایا تھا۔ جب مصر کے علاقے پر قبضہ ہوا تو امریکی صدر جمی کارٹر نے کیمپ ڈیوڈ (خیمہ داؤد) میں مصر، شام اور اردن کے مذاکرات کروائے۔ ان کا آپس میں سمجھوتہ ہوا اور انہوں نے اسرائیل کو تسلیم کرلیا کہ ہم اسرائیل کو ایک جائز ریاست تسلیم کرتے ہیں۔ ان ممالک کے اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات بھی ہیں، لیکن جو ممالک اسرائیل کو تسلیم کرتے ہیں وہ بیت المقدس کو اسرائیل کا حصہ تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ اسرائیل اس حد تک ایک جائز ریاست ہے جو اقوام متحدہ نے ۱۹۴۵ء میں تقسیم کی تھی اور فلسطین کو تقسیم کرکے دو آزاد ریاستیں بنائی تھیں۔ وہ اسرائیل کو ان شرطوں کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں کہ اسرائیل نے ۱۹۶۷ء میں جن علاقوں پر قبضہ کیا تھا وہ ان سرحدوں سے واپس چلا جائے اور بیت المقدس فلسطین کے پاس ہی رہے گا۔ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اسرائیل نے جو اردن کے حصے پر، شام کی گولان کی پہاڑیوں پر اور بیت المقدس پر قبضہ کیا ہے، یہ ان ممالک کے ہاں بھی ناجائز قبضہ ہے۔ وہ اس علاقے کو اسرائیل کا حصہ تسلیم نہیں کرتے۔ تاہم سعودی عرب، پاکستان اور دیگر کچھ ممالک نے فلسطین کی تقسیم اور اسرائیل کا وجود تسلیم نہیں کیا۔ ان کا موقف یہی ہے کہ فلسطین فلسطینیوں کا حق ہے، جو ان کو واپس ملنا چاہئے، لیکن یہ کشمکش عالمی سطح پر جاری ہے اور اسرائیل اپنی من مانیوں پر لگا ہوا ہے۔ (جاری ہے)

”اظہار الحق“ کی تحقیق و تعلیق

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم اپنی سوانح کے سلسلہ میں ”یادیں“ کے نام سے جو کچھ لکھ چکے ہیں وہ قسط وار چھپ رہا ہے، اس میں ایک مضمون ”اظہار الحق کی تحقیق و تعلیق“ کے عنوان سے چھپا تھا۔ جسے ہفت روزہ کے قارئین کے استفادہ کے لئے شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔(ادارہ)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

مرسلہ:....جناب خالد محمود سابق یوئیل کندن

”اظہار الحق کی تحقیق و تعلیق“

جس سال میں دورۂ حدیث میں تھا، اُس سال پاکستان میں ایک مرتبہ پھر عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ ملک کے مختلف حصوں میں ان کے جلسے منعقد ہورہے تھے۔ ان میں سے ایک تین روزہ جلسہ دارالعلوم نانک واڑہ کے قریب لارنس روڈ (موجودہ نشتر روڈ) کے ایک میدان میں منعقد ہورہا تھا۔ اس جلسے میں کچھ بظاہر اپاہج لوگوں کو لایا جاتا اور لوگوں کے سامنے ان کو پیش کرکے ان پر بائبل پڑھی جاتی اور کہا جاتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کی معذوری دور کردی ہے۔ ایک بڑے مجمع کے سامنے ان کی شفایابی کا مظاہرہ کیا جاتا اور لوگوں کو عیسائی مذہب اختیار کرنے کی دعوت دی جاتی اور دکھایا جاتا کہ فلاں فلاں شخص نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا ہے۔

اس جلسے کے پہلے دن میں اور بڑے بھائی حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم بھی اس جلسے میں گئے، اور خود جا کر یہ جعلی مظاہرہ دیکھا۔ وہاں بہت سے عام مسلمان بھی موجود تھے، اور بظاہر اس مظاہرے سے متأثر ہو رہے تھے۔ ساتھ ساتھ عیسائی پادریوں کی تقریریں بھی جاری تھیں۔ ہمیں یہ منظر دیکھ کر بہت صدمہ ہوا کہ لوگوں کو مرتد بنانے کی یہ کوشش کھلم کھلا ہورہی تھی۔ نوجوانی کا گرم خون تھا، اور ہماری غیرت کو برملا للکارا جارہا تھا۔ اس لئے ہم سے صبر نہ ہوسکا۔ ہم نے مشورہ کیا کہ اس سلسلے کو روکنے کا کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟ حکومت سے کوئی توقع نہیں تھی کہ وہ ایسے جلسوں کو روکے۔ آخر میں طے ہوا کہ ایک مضمون لکھ کر چھاپا جائے، اور اُسے اسی جلسے میں تقسیم کیا جائے۔ چنانچہ ہم نے ایک بڑا جذباتی مضمون لکھا، جس میں مسلمانوں کو مخاطب ہوکر ان کی غیرت ایمانی یاد دلائی گئی تھی، اور ان سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ اپنی دینی حمیت کے تحت نہ صرف اس جلسے کا بائیکاٹ کریں، بلکہ ارتداد کی اس کھلی دعوت کو ناکام بنائیں۔ مضمون تو لکھ لیا، لیکن اسے کسی پریس میں چھپوانا ایک مسئلہ تھا، کیونکہ عام پریسوں کے لئے اُسے چھاپنے پر آمادہ ہونا مشکل تھا۔ یہ جذباتی مضمون ان کے لئے مشکلات پیدا کرسکتا تھا۔

ان دنوں میرے بڑے بھائی جناب محمد ولی رازی صاحب مدظلہم محبوب پرنٹنگ پریس کے نام سے ایک پریس چلا رہے تھے، انہوں نے فرمایا کہ بلا سے ہمیں کسی قانونی کارروائی کا سامنا کرنا پڑے، میں یہ مضمون اپنے پریس میں چھاپ دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے یہ مضمون چند گھنٹوں میں سینکڑوں کی تعداد میں اپنے پریس میں چھاپ دیا اور پھر ہم تینوں اپنے ساتھ کچھ اور دوستوں کے ساتھ یہ ہینڈ بل لے کر شام کے وقت جلسہ گاہ میں پہنچے، اور وہاں انہیں تقسیم کیا۔ اس دوران اخبارات میں بھی علماء اور مختلف دینی حلقوں کی طرف سے اس جلسے کے انعقاد کی اجازت دینے پر احتجاجی بیانات بھی غالباً شائع ہوئے تھے، اور بہت سے مسلمان نوجوان وہاں صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے پہنچے ہوئے تھے۔ اُس ہینڈ بل کا وہاں تقسیم ہونا تھا کہ ان نوجوانوں کے دلوں میں ایک آگ سی لگ گئی، اور انہوں نے جلسے کے دوران احتجاج شروع کردیا، اور کچھ لوگ اس احتجاج کے دوران اسٹیج کے بالکل قریب پہنچ گئے، اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ یہ تماشا بند کیا جائے، اور اگر کرنا ہے تو ہمارے علماء کے ساتھ دلیل اور برہان سے مناظرہ کیا جائے۔ اسٹیج کی طرف بڑھتے ہوئے لوگوں کا جوش وخروش دیکھ کر اسٹیج پر بیٹھے یا کھڑے ہوئے پادریوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ وہ اسٹیج سے واپس روانہ ہوجائیں۔ ان کے وہاں سے ہٹتے ہی جلسہ درہم برہم ہوگیا، اور پھر اچانک نہ جانے کس طرح اسٹیج کی بجلیاں بھی کٹ گئیں، اور اس کا سامان بھی بکھر گیا، اور آن کی آن میں اس میدان پر اندھیرا چھا گیا، اور لوگ تتر بتر ہوگئے۔

لیکن اس جلسے کے درہم برہم ہونے کے

بعد عیسائیوں نے ہینڈبل تقسیم کرنے والوں کے خلاف پولیس میں رپورٹ درج کرادی۔ پولیس ہینڈبل تیار کرنے والوں اور اُسے چھاپنے والوں کی تلاش میں رہی، اور آخر کار ہم تینوں بھائیوں تک پہنچ گئی۔ ہم چند روز پولیس کی پوچھ گچھ کا سامنا کرتے رہے، لیکن اُس ہینڈبل کی جذباتی زبان کے باوجود اس میں کوئی ایسی بات نہ تھی جو قانون کی گرفت میں آسکے۔ اس لئے ہمارے خلاف یہ مقدمہ کچھ روز میں رفع دفع ہوگیا۔

بہرحال! یہ تو ایک مثال تھی، اُس وقت ملک بھر میں عیسائیوں کی اس طرح کی سرگرمیاں شدت کے ساتھ جاری تھیں، اور ملک کے مختلف حصوں سے ارتداد کی خبریں آرہی تھیں۔ اس لئے ضرورت تھی کہ کچھ لوگ اس فتنے کے مقابلے کے لئے تیار ہوں، اور دلیل و حجت کے میدان میں عیسائی مشنریوں کا مقابلہ کریں۔ لیکن اُس وقت عیسائی مذہب اور اس کی تفصیلات سے واقفیت رکھنے والے لوگ بہت کم تھے جو یہ فریضہ ادا کرسکیں۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انگریز کے اقتدار کے ابتدائی دور میں عیسائی مشنریاں بڑی آب وتاب سے ہندوستان آئی تھیں، اور اُس وقت انہوں نے کہیں زیادہ قوت سے مسلمانوں سے مناظرے شروع کئے تھے۔ اس موقع پر علماء کرام نے ان کی کتابوں کا بنظر غائر مطالعہ کرکے اس فتنے کے مقابلے کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا تھا۔ اس دور میں عیسائیت کی تردید میں بہت سے مناظرے ہوئے، اور بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ یوں تو علماء کی ایک بڑی تعداد نے اس فتنے کا دلیل کے ذریعے ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن اس موضوع پر حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات سب سے زیادہ مؤثر اور نمایاں رہیں۔ انہوں نے مناظرے میں پادری فنڈر کو شکست فاش دی، اور متعدد کتابیں لکھیں۔ ان کتابوں میں سب سے زیادہ جامع کتاب ''اظہار الحق'' تھی۔ یہ کتاب انہوں نے عربی میں لکھی تھی، اور پھر اس کا انگریزی اور فرانسیسی میں ترجمہ بھی ہوا تھا۔ لیکن اس کا اردو ترجمہ ابھی تک نہیں ہوسکا تھا۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایما پر دارالعلوم کراچی کے اُس وقت کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کام کے لئے تیار ہوئے کہ وہ اس کا اردو ترجمہ کراکر شائع کریں۔ چنانچہ انہوں نے ہمارے استاذ گرامی حضرت مولانا اکبر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو آمادہ کیا کہ وہ اس کا اردو ترجمہ کریں۔

چنانچہ جس سال ہم دورۂ حدیث کے بعد تخصص کر رہے تھے، اُس سال حضرت مولانا اکبر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دن رات اس ترجمے کے کام میں مصروف تھے۔ انہوں نے حیرت انگیز رفتار سے ترجمہ اس طرح مکمل کرلیا کہ کسی بھی قسم کی کوئی مددگار کتاب ان کے سامنے نہیں تھی۔ ترجمہ مکمل ہوا تو حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے محسوس فرمایا کہ اس سے استفادہ آسان بنانے کے لئے اس پر ابھی مزید کام کی ضرورت ہے۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم اس ترجمے کو ایڈٹ کرو، اس کے بعد اس کی اشاعت مفید ہوگی۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مجھے حکم فرمایا کہ اس پر کام کروں۔

عیسائی مذہب کے بارے میں کچھ عمومی معلومات تو بیشک تھیں، لیکن اس موضوع پر ''اظہار الحق'' جس پائے کی تحقیقی کتاب ہے، اس کو ایڈٹ کرنے کے لئے عمومی معلومات کی نہیں، تحقیقی مطالعے کی ضرورت تھی۔ استاذ مکرم حضرت مولانا اکبر علی صاحب قدس سرہ نے جو ترجمہ کیا تھا، وہ ان کی اعلیٰ صلاحیتوں کا آئینہ دار تھا، لیکن اُس کو عام فہم اور لوگوں کے لئے آسان بنانے کے لئے چند در چند کام ضروری معلوم ہوتے تھے۔ سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ ''اظہار الحق'' بائبل کے حوالوں سے بھری ہوئی ہے۔ بائبل وہ کتاب ہے جس کے مسلّم ترجمے ہر زبان میں ہوئے ہیں۔ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں بائبل کے عربی ترجمے کے اقتباسات درج فرمائے ہیں۔ استاذ مکرم حضرت مولانا اکبر علی صاحب قدس سرہ نے ان عربی اقتباسات کا خود اردو ترجمہ فرمایا، شاید پیش نظر یہ تھا کہ ترجموں میں بہت سی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، اس لئے شاید موجودہ اردو ترجموں میں وہ بات نہ ہو جس سے حضرت مولاناؒ استدلال کرنا چاہتے ہیں اور یہ بات بڑی حد تک ٹھیک بھی تھی، لیکن اس میں یہ خطرہ بھی تھا کہ کوئی شخص کسی عبارت کے بارے میں یہ کہہ دے کہ اس کا ترجمہ صحیح نہیں ہوا۔ لہٰذا میں نے مناسب سمجھا کہ ان تمام عبارتوں کو بائبل کے مروجہ اردو ترجمے میں منتقل کروں، اور اگر کہیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کردہ عبارت موجودہ ترجمے سے مختلف ہو تو اس اختلاف کو حاشیے میں واضح کردوں۔

اس کے علاوہ بہت سے مقامات کا عیسائی مذہب کی اصطلاحات، ان کے بڑے بڑے مصنفین اور ان کی کتابوں کے تعارف کے بغیر عام آدمی کی سمجھ میں آنا مشکل تھا۔ اور بعض جگہوں

پر تو اس تعارف کے بغیر شدید غلط فہمیاں پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ دوسری طرف ان مشکلات کو حل کرنے کے لئے مجھے نہ کتابیں میسر تھیں، نہ کسی ایسے شخص کی رہنمائی حاصل تھی جسے اس موضوع پر عبور ہو۔ مجھے جس کسی کے بارے میں معلوم ہوا کہ ان کا عیسائیت پر مطالعہ اچھا ہے، میں ان کے پاس گیا، اور ان سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی، لیکن بات کسی ایک نکتے کی نہیں تھی جو کسی سے حل کرلیا جائے، اور ہر شخص اپنے مسائل میں گرفتار تھا، اس لئے کوئی قابل ذکر مدد حاصل نہیں ہوسکی۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دیں محترم ابراہیم باوانی صاحب مرحوم کو کہ جب انہوں نے یہ سنا کہ میں اس موضوع پر کام کررہا ہوں، اور مجھے کتابوں کی ضرورت ہے تو وہ مجھے اپنا انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا پورا سیٹ دے گئے کہ وہ مجھے مختلف مواقع پر مدد دے سکے۔ یہ ۱۹۵۰ء کا ایڈیشن تھا، اور واقعہ یہ ہے کہ اس سے مجھے بہت مدد ملی۔ اس کے علاوہ میں مختلف چرچوں کے کتب خانوں میں گیا، اور وہاں جو کوئی کتاب مجھے مددگار معلوم ہوئی، وہ خرید لایا۔ نیز کراچی میں لیاقت نیشنل لائبریری اور اسٹیٹ بینک کی لائبریری میں بعض کتابیں کارآمد تھیں۔ ان سے مدد لینے کے لئے مجھے خود ان لائبریریوں میں جانا پڑتا تھا۔ چنانچہ ہوتا یہ تھا کہ میں رات کو عشاء کے بعد اپنے زیر تدریس اسباق کا مطالعہ کرنے کے بعد ''اظہار الحق'' کا کام کرتا تھا۔ کام کے دوران جو بات قابل تحقیق نظر آتی اور اپنے پاس موجود کتابوں سے حل نہ ہوتی، اسے میں نوٹ کرلیتا تھا، اور اگلے دن تین چار گھنٹے دارالعلوم میں پڑھانے اور ایک دو گھنٹے فتویٰ کا کام کرنے کے بعد عصر سے کچھ پہلے میں کورنگی کے ایریا کے بس اسٹاپ پر پہنچتا، وہاں سے بس میں سوار ہوتا، بکثرت بس بھری ہوئی ہوتی، اور میں ڈنڈا پکڑ کر کھڑا رہتا، بس مجھے ایمپریس مارکیٹ اتارتی، وہاں عموماً جہانگیر پارک کی مسجد میں عصر پڑھتا، اور پھر دوسری بس میں بیٹھ کر میں ویدر ٹاور پہنچتا جہاں اُس وقت لیاقت نیشنل لائبریری واقع تھی۔ وہاں جاکر مطلوبہ کتاب نکلواتا، اور اُس میں مطلوبہ مضمون تلاش کرتا۔ اُس وقت میں بی اے کررہا تھا، اس لئے انگریزی پر بھی عبور نہیں تھا، اس لئے بکثرت کتاب کا مطلب سمجھنے کے لئے بکثرت ڈکشنری کی مدد لینی پڑتی تھی۔ اس طرح کبھی گوہر مقصود ہاتھ آجاتا، اور کبھی نہ آتا۔ آخر کار واپس اُسی طرح پہلے صدر، اور پھر وہاں سے کورنگی کی بس میں ڈنڈا پکڑ کر دارالعلوم پہنچتا۔ بس اسٹاپ سے گھر تک تقریباً ایک کلومیٹر کا فاصلہ اندھیرے صحرا میں طے کرتا ہوا رات گئے گھر پہنچتا، کیونکہ اُس وقت دارالعلوم کی چار دیواری نہیں تھی، اور بس اسٹاپ سے دارالعلوم اور دارالعلوم میں گھر تک نہ کوئی آبادی تھی، نہ کوئی روشنی۔ اللہ تعالیٰ میری والدہ ماجدہ پر اپنی رحمتوں کی بارش برسائے، وہ میری راہ دیکھ رہی ہوتی تھیں، میری واپسی پر وہ مجھے کھانا کھلاتیں، اور ان کی خدمت میں چند لمحات گزار کر میں اپنی لکھنے کی میز پر پہنچ جاتا، اور اگر اس سفر سے کچھ حاصل ہوا ہوتا، تو اُسے کتاب میں جگہ دے دیتا، اُس کے بعد اپنے زیر تدریس اسباق کا مطالعہ کرکے سوتا۔

ہفتے میں کم وبیش دو دن تو اس طرح گزرتے اور تین دن میں عصر کے قریب اُسی طرح بس میں لٹک کر حسن الزماں اختر صاحب سے کئے ہوئے معاہدے کے مطابق (جس کا ذکر میں پہلے کرچکا ہوں) ان کے پاس جاتا، ان سے معاشیات پڑھتا، اور انہیں ہدایہ پڑھاتا۔ لہٰذا ہفتے کی بیشتر شامیں اُس زمانے میں شہر کی آمد و رفت میں گزرتی تھیں۔ مشکل سے دو دن ایسے ملتے تھے جن کی شام میں گھر پر گزار سکوں۔

کبھی کبھی ''اظہار الحق'' کے کام کے دوران میری ہمت ہارنے لگتی، جب یہ تصور کرتا کہ جتنا کام کیا ہے، اس سے زیادہ باقی ہے، تو میرا حوصلہ ٹوٹنے لگتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس بے ہمتی کا مقابلہ کرکے کام جاری رکھتا۔ اور مجھے اپنی تقریباً تمام تالیفات میں یہی تجربہ ہوا کہ تالیف کے عین درمیان ایک مرحلہ ایسا ضرور آتا تھا کہ طبیعت اُس تالیف سے اُچاٹ ہوجاتی، اور دل چاہتا کہ اُسے چھوڑ کر الگ ہوجاؤں، لیکن پھر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہوتی، اور میں سمجھتا کہ یہی آزمائش کا وقت ہے، اور اپنے اوپر زبردستی کئے بغیر اس آزمائش سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں۔ چنانچہ اپنے اوپر زبردستی کرکے کام جاری رکھتا، اور الحمدللہ! پھر وہ کیفیت زائل ہوجاتی۔

جب کتاب کی تحقیق وتعلیق کا کام پورا ہوا، تو مجھے احساس ہوا کہ اس پر ایک مفصل مقدمے کی ضرورت ہے۔ لیکن اس کے لئے مجھے مزید کتابوں کی ضرورت تھی۔ مجھے لاہور کے ایک سفر کے دوران پتا چلا کہ لاہور کی پنجاب پبلک لائبریری میں عیسائیت کے موضوع پر کچھ اچھی کتابیں موجود ہیں، چنانچہ میں نے اسی غرض کے لئے لاہور کا سفر کیا، اور وہاں کچھ دن اس طرح گزارے کہ میں صبح سویرے لائبریری چلا جاتا،

اور کتابوں کا مطالعہ کر کے اُن سے نوٹ تیار کرتا، اور طویل طویل اقتباسات نقل کرتا۔ اس طرح ایک اچھی خاصی مفصل کاپی تیار ہوگئی۔ یہ کاپی لے کر میں واپس کراچی آیا اور مقدمہ تحریر کیا جو ’’اظہارالحق‘‘ کی ابتدا میں بھی شائع ہوا، اور بعد میں ’’عیسائیت کیا ہے؟‘‘ کے نام سے الگ کتابی صورت میں بھی۔ پھر اس کا انگریزی ترجمہ میرے جنوبی افریقا کے دوست شعیب عمر صاحب نے کیا، اور عربی ترجمہ جناب مولانا نور عالم امینی ندوی صاحب (زید مجدہ) نے کیا، اور اُس پر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پیش لفظ بھی تحریر فرمایا۔

’’اظہارالحق‘‘ کے مصنف حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے حضرت مولانا محمد سلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ میں خود حضرت کیرانویؒ کے قائم کردہ مدرسہ صولتیہ کے مہتمم تھے۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ میں اس پر کام کر رہا ہوں، تو انہوں نے کراچی کے ایک اہل خیر تاجر کو اس کی طباعت وغیرہ کے اخراجات اٹھانے کی ترغیب دی اور انہوں نے مجھ سے اپنے اس ارادے کا اظہار فرمادیا۔ یہ اہل خیر بزرگ دینی حلقوں میں کافی مشہور تھے۔ ان کی نیکی اور بزرگی کے باوجود وہ ذرا زودرنج واقع ہوئے تھے، اور بعض اوقات چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی شکایتیں کرنے لگتے تھے، اسی لئے مجھے اس بات میں کچھ تأمل تھا کہ ان سے اس سلسلے میں کوئی مالی امداد وصول کی جائے۔

اسی دوران میں نے اپنے کام کے تعارف اور لوگوں کی آراء معلوم کرنے کے لئے اپنے کام کا کچھ حصہ ماہنامہ فاران میں شائع کرادیا۔ اس کے بعد اُن سے ملاقات ہوئی، تو انہوں نے اس پر شدت سے اعتراض کیا، اور یہ فرمایا کہ تم نے پہلے سے یہ حصہ شائع کر کے ہمارے کام کی قدر و قیمت گھٹادی ہے۔ یہ اعتراض انہوں نے ایسے لہجے اور ایسے الفاظ میں فرمایا جیسے طباعت کے اخراجات کی پیشکش کر کے انہوں نے یہ سارا کام اپنی ملکیت سمجھ لیا ہے، اور مجھ ناسمجھ کو یہ احساس بھی ہوا جیسے ان کے نزدیک میں یہ کام ان کے زیر ہدایت یا ان کے اجیر کے طور پر کر رہا ہوں۔ میں نے ان کی بزرگی کا لحاظ کرتے ہوئے اُنہیں اس وقت اس اشاعت کی مصلحت بتانے پر ہی اکتفا کیا، اور ان کے نامناسب انداز پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا، اس کے بعد بھی انہوں نے کام کی رفتار کے بارے میں کچھ خیالات کا اظہار اس طرح فرمایا جیسے یہ سارا کام ان کی نگرانی میں ہو رہا ہے۔ میں انہیں سکون سے جواب دے دیا کرتا، لیکن دل میں یہ طے کرلیا کہ اب ان سے کوئی مالی تعاون حاصل نہیں کرنا۔

اس کے کچھ عرصے کے بعد انہوں نے مجھے ایک ہزار روپے کا چیک بھیجا۔ (اُس وقت کے ایک ہزار اپنی قوت خرید کے اعتبار سے شاید آج کے تقریباً ایک لاکھ کے برابر ہوں گے) اور یہ ظاہر فرمایا کہ وہ یہ چیک میری خدمت پر انعام کے طور پر بھیج رہے ہیں۔ ان کے طرز عمل کی وجہ سے دل میں جو کوفت تھی، اس موقع پر میرے نفس نے مجھے اس پر آمادہ کیا کہ میں انہیں ایک خط میں ان کے نامناسب طرز عمل کی تفصیل بتا کر یہ لکھ دوں کہ اس طرز عمل کی وجہ سے آپ کا یہ چیک میں واپس کر رہا ہوں۔ ایسا یاد پڑتا ہے کہ شاید میں نے ایسا خط لکھ بھی دیا تھا، اور پھر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود بھی ان کے اس طرز عمل کی وجہ سے ناخوش تھے، لیکن انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارا یہ انداز ان کے ساتھ قطع تعلق کا سا انداز ہے، اور تعلق توڑنا تو آسان کام ہے، کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے، لیکن تعلقات کو نبھانا اور تحمل کا مظاہرہ کرنا اصل مردانگی ہے۔ اس لئے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چیک واپس کرنے کو تو منظور فرمایا، لیکن میرے بجائے خود انہیں ایک خط لکھا جس میں چیک کی واپسی کا ذکر اس انداز سے فرمایا کہ اس میں ان کی پیشکش کا شکریہ بھی تھا، اور ساتھ ہی یہ ذکر بھی کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر شروع کیا گیا تھا، اور اُسی کے بھروسے پر جاری ہے، اور فی الحال چونکہ کام ابھی باقی ہے، اور طباعت کا مرحلہ آنے میں دیر ہے، اس لئے یہ چیک واپس کر رہا ہوں۔ اس طرح جو مقصد تھا کہ ان کا چیک واپس کردیا جائے، وہ بھی حاصل ہوگیا، اور کسی قسم کی بدمزگی بھی پیدا نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ حضرت والد صاحب پر اپنی رحمتوں کی بارشیں برسائیں، وہ اس طرح قدم قدم پر خوش اخلاقی، تحمل اور بردباری کا درس دیا کرتے تھے۔

بہرکیف! الحمدللہ، تقریباً ساڑھے تین سال میں ’’اظہارالحق‘‘ کا یہ کام تکمیل کو پہنچا، اور وہ مکتبہ دارالعلوم کراچی سے ’’بائبل سے قرآن تک‘‘ کے نام سے شائع ہوا، اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اُسے علمی حلقوں میں وسیع پیمانے پر مقبولیت حاصل ہوئی، اور یہ اطلاعات بھی ملیں کہ اس کے مطالعے سے بہت سے عیسائیوں کو مشرف بہ اسلام ہونے کی توفیق عطا ہوئی۔

(بشکریہ: ماہنامہ البلاغ کراچی، رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ)

صُوَرٌ مِنْ حَيَاةِ الصَّحابة

زندگیاں صحابہ رضی اللہ عنہ کی

حضرت نُعَیم بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

’’جو شخص پیروی کرنا چاہے، اسے ان لوگوں کی پیروی کرنی چاہیے جو وفات پا چکے ہیں۔ اس لئے کہ آدمی جب تک زندہ رہتا ہے، اس کے فتنے میں پڑنے اور دین حق سے ہٹ جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ وہ لوگ جن کی پیروی کرنی ہے؛ اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، وہ لوگ اس امت کے افضل ترین افراد تھے، ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری تھی، وہ دین کا گہرا علم رکھتے تھے، اور تکلف سے دور تھے، ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ مسلمانو! تم ان کا مقام پہچانو، ان کے پیچھے چلو اور ان کے اخلاق وسیرت کو حتی الامکان مضبوطی سے پکڑو، اس لیے کہ وہ لوگ صراطِ مستقیم اور اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہِ ہدایت پر تھے۔‘‘ (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

تصنیف: ڈاکٹر عبدالرحمٰن رأفت پاشا مرحوم (مصر)
مترجم: مولانا اقبال احمد قاسمی، یوکے اسلامک مشن

نُعَیم بن مسعود ایک ایسے بیدار مغز، تیز فہم، ذہین وفطین اور چُست وچالاک شخص تھے، جن کی راہ میں نہ تو کوئی پیچیدہ مسئلہ حائل ہوسکتا تھا نہ ہی وہ کسی مشکل معاملے کو حل کرنے میں ناکام ہوسکتے تھے۔ صحرا کا یہ سپوت اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی غیر معمولی صلاحیتوں... صحتِ فراست، سرعتِ ذہن اور تیزیٔ عقل... کے باعث ایک بے مثال شخصیت کا حامل تھا، لیکن اس کے ساتھ وہ بڑا رنگین مزاج، رنگ رلیوں کا دلدادہ اور گانے بجانے کا شوقین بھی تھا۔ ان دلچسپیوں اور خواہشات کی تکمیل کے لئے وہ اکثر وبیشتر یثرب کے یہودیوں کے یہاں جاتا رہتا تھا۔ چنانچہ جب بھی اس کا دل کسی مغنیہ کے لئے بے چین ہوتا یا اس کے کان بربط ورباب کے تاروں سے نکلنے والے دلکش اور مسحور کن نغموں کے لئے بے قرار ہوتے تو وہ نجد سے... جہاں اس کا قبیلہ آباد تھا... سیدھا مدینے پہنچتا اور وہاں یہودیوں پر دل کھول کر مال ودولت لٹاتا تاکہ وہ اس کی دلچسپیوں اور عیاشیوں کا بھرپور انتظام کریں۔

اسی وجہ سے نُعَیم بن مسعود اکثر یثرب آتا جاتا رہتا اور یہودیوں، خصوصاً یہودِ بنی قریظہ کے ساتھ اس کے بڑے گہرے اور مضبوط روابط تھے۔

جب اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو اپنے کرم سے نوازتے ہوئے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور مکے کی وادیاں آفتابِ اسلام کی تابانیوں سے جگمگا اٹھیں، نُعَیم بن مسعود خواہشات کی باگ اپنے نفس کے ہاتھ میں ڈھیلی چھوڑ کر پیہم ان کی پیروی میں منہمک تھا اور اس نے اس نئے دین سے صرف اس اندیشے کے تحت سختی کے ساتھ اعراض کیا کہ کہیں یہ دین اس کی لذت کوشیوں اور رنگ رلیوں پر قدغن لگا کر اس کی زندگی کا سارا مزہ کرکرا نہ کردے، لیکن کچھ ہی دنوں بعد اسلام کے بدترین دشمنوں کی صف میں شامل ہوکر اس نے اپنی تلوار اس کے مقابلے کے لئے بے نیام کرلی۔

لیکن غزوۂ احزاب کے موقع پر نُعَیم بن مسعود نے دعوتِ اسلامی کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا اور اس باب میں انہوں نے اپنے ہاتھ سے وہ داستان رقم کی جو جنگی چالوں پر مشتمل داستانوں میں سب سے زیادہ حیرت آفریں اور تعجب انگیز داستان ہے۔ ایک ایسی داستان جس کے محکم اجزا اور اس کے عاقل ودانا ہیرو کا تذکرہ مورخ کا قلم ہمیشہ حیرت واستعجاب کے ساتھ کرتا رہے گا۔

نُعَیم بن مسعود کی اس نرالی داستان سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہمیں تھوڑا سا پیچھے کی طرف لوٹنا ہوگا۔ غزوۂ احزاب سے کچھ عرصہ پہلے یثرب کے یہودیوں کی ایک ٹولی جس کا تعلق بنونضیر سے تھا، حرکت میں آئی اور اس کے لیڈروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے اور ان کے دین پر فیصلہ کن ضرب لگانے کے لئے مختلف قبیلوں کو منظم کرنا شروع کیا۔ سب سے پہلے وہ قریش مکہ کے پاس پہنچے اور ان کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارا اور ان سے اس بات کا مضبوط عہد وپیمان کیا کہ جب تم لوگ فوج لے کر مدینہ پہنچو گے تو ہم بھی اپنی

پوری قوت کے ساتھ تمہارے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ پھر ان کو چھوڑ کر وہ لوگ نجد میں بنوغطفان کے پاس گئے اور انہیں بھی اسلام اور اس کے نبی کے خلاف خوب خوب بھڑکایا، اسلام کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکنے کی دعوت دی اور وہ ساری باتیں تفصیل سے ان کو بتائیں جو قریش اور ان کے درمیان طے ہوئی تھیں پھر ان کے ساتھ بھی انہیں شرائط پر معاہدہ کیا اور طے شدہ وقت سے آگاہ کر کے واپس چلے آئے۔

ادھر قریش ایک لشکر جرار کے ساتھ جس میں ان کے پیدل اور گھڑسوار دستے شامل تھے، اپنے سپہ سالار ابوسفیان بن حرب کی قیادت میں اور ادھر بنوغطفان پورے جنگی ساز وسامان اور جمعیت کثیر کے ساتھ اپنے قائد عُیَینہ ابن حِصن غطفانی کی سرکردگی میں مدینہ کی طرف چل پڑے۔ ہماری اس داستان کا ہیرو نُعیم ابن مسعود بھی اپنے قبیلے بنوغطفان کے ہراول دستے میں شامل تھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی روانگی کی خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے اس معاملے میں ان کی رائیں طلب کیں۔ آخر باہمی مشورے سے یہ بات طے ہوئی کہ مدینہ کے اِردگرد ایک خندق کھود لی جائے تاکہ وہ خندق اس لشکر کے سامنے حائل ہو جائے اور ہم اس کے حملے سے اپنا تحفظ کر سکیں جس سے کھلے میدان میں مقابلہ کرنے کی ہمارے پاس طاقت نہیں ہے۔

جب مکہ اور نجد سے پیش قدمی کرنے والے یہ دونوں لشکر مدینہ کی سطح مرتفع کے قریب پہنچے تو بنونضیر کے یہودی زعماء مدینہ میں بنوقریظہ کے یہودی سرداروں کے پاس پہنچے اور ان کے اوپر اس سلسلے میں کافی دباؤ ڈالا کہ وہ اس جنگ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مکہ اور نجد سے آنے والی فوجوں کا ساتھ دیں۔ مگر بنوقریظہ کے سرداروں نے ان سے کہا کہ یہ چیز جس کی طرف تم ہم کو دعوت دے رہے ہو، اگرچہ ہماری مطلوبہ اور پسندیدہ چیز ہے لیکن تم کو معلوم ہے کہ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان اس شرط پر ایک معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم آپس میں صلح و آشتی کے ساتھ رہیں گے تاکہ دونوں فریق مدینہ میں امن و اطمینان کے ساتھ رہ سکیں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ابھی اس معاہدے کی روشنائی بھی خشک نہیں ہوئی ہے۔ ہمیں اس بات کا سخت اندیشہ ہے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس جنگ میں فتحیاب ہوئے تو معاہدے کی خلاف ورزی کے جرم میں وہ ہم پر سخت گرفت کریں گے اور ہمیں مدینے سے نیست و نابود کر کے دم لیں گے، لیکن بنونضیر کے سرداران کو برابر نقض عہد پر ابھارتے، اس کو مزین کر کے ان کے سامنے پیش کرتے اور ان کو سبز باغ دکھاتے رہے کہ اب کی بار محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو زبردست تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

آخر کار بنوقریظہ کے یہودی ان کے سامنے ڈھیلے پڑ گئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کئے ہوئے اپنے معاہدے کو توڑ دیا اور صلح نامے کی دستاویز کو پھاڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف قریش وغطفان کی متحدہ فوج کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ مسلمانوں کے اوپر اس کا ایسا اثر ہوا جیسے ان کے اوپر بجلی گر پڑی ہو۔

دشمن کی فوجوں نے ہر طرف سے مدینہ کا محاصرہ کر کے خوراک اور ضروریات زندگی کی رسد منقطع کر دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ دشمن کے دونوں جبڑوں کے درمیان پھنس گئے ہیں۔ کیونکہ ایک طرف قریش اور غطفان کے لشکر مدینہ کے باہر مسلمانوں کے سامنے خیمہ زن تھے اور دوسری طرف اندرونِ شہر بنوقریظہ کے یہودی مسلمانوں کے پیچھے گھات لگائے ان کے اوپر حملہ کرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ پھر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کا مرض تھا، اپنے سینوں میں پوشیدہ خباثتوں کا اظہار کرنے پر تُل گئے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم سے قیصر وکسریٰ کے خزانوں کا وعدہ کر رہے تھے اور آج ہماری بے کسی اور مجبوری کی یہ حالت ہے کہ ہم اپنی جان کے خوف سے رفع حاجت کے لئے بیت الخلا تک جانے کی سکت نہیں رکھتے۔ پھر ان کی ٹولیاں یکے بعد دیگرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ چھوڑ کر کھسکنے لگیں۔ بہانہ یہ تھا کہ ہمیں بنوقریظہ کی طرف سے اس بات کا ڈر ہے کہ جب لڑائی شروع ہو جائے گی تو وہ اچانک ہماری عورتوں، بچوں اور گھروں پر حملہ کر دیں گے۔ یہاں تک کہ چند سو مخلص مسلمانوں کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کوئی نہیں بچا تھا۔ محاصرے کی راتوں میں سے ایک رات کو جس کا سلسلہ تقریباً بیس دن سے جاری تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کی بارگاہ میں انتہائی گریہ وزاری کے ساتھ بار بار یہ دعا کر رہے تھے:

’’اللّٰھم انی انشدک عھدک ووعدک... اللّٰھم انی انشدک عھدک ووعدک۔‘‘

ترجمہ:’’خدایا! میں تجھے تیرا عہد اور تیرا وعدہ یاد دلا رہا ہوں....خدایا! میں تجھے تیرا عہد اور تیرا وعدہ یاد دلا رہا ہوں۔‘‘

اس رات نُعیم بن مسعود بے خوابی کی وجہ سے اپنے بستر پر کروٹیں بدل رہے تھے۔ نیند اُن کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ان کی پلکیں جھپکنے کا نام نہیں لیتی تھیں، جیسے ان میں کیلیں جڑ دی گئی ہوں۔ وہ آنکھیں کھولے صاف ستھرے آسمان کی سطح پر تیرتے ہوئے ستاروں کو ایک ٹک دیکھے چلے جا رہے تھے۔ وہ بڑی دیر تک بحرِ تفکر میں غوطہ زن رہے۔ اچانک انہوں نے محسوس کیا کہ ان کا دل ان سے سوال کر رہا ہے:

’’نُعیم! تمہارا بُرا ہو آخر وہ کون سی چیز ہے جو تم کو اس ’’مردِ صالح‘‘ کے مقابلے میں اپنی تلوار بے نیام کرنے پر اکسا رہی ہے؟ جو اپنے متبعین کو عدل و انصاف اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے؟ اور کیا چیز ہے جو تم کو اس بات پر اُکسا رہی ہے کہ اپنا نیزہ اس کے ان ساتھیوں کے خون سے رنگین کرو جنہوں نے اس کی لائی ہوئی ہدایت اور حق کی پیروی اختیار کی ہے؟‘‘

نُعیم بن مسعود اور ان کے دل کے مابین ہونے والی اس گفتگو کو اس دور اندیشانہ عزم نے منقطع کیا جس کو روبہ عمل لانے کے لئے وہ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ رات کی تاریکی میں اپنے قبیلے کے کیمپ سے دبے پاؤں نکلے اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لئے چل پڑے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے سامنے کھڑا دیکھا تو فرمایا:

’’نُعیم بن مسعود؟‘‘ ’’اس وقت کس ضرورت سے آئے ہو؟‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

’’اس وقت اس لئے حاضرِ خدمت ہوا ہوں کہ اس بات کی گواہی دوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور جو دین آپ لائے ہیں وہ برحق ہے۔‘‘ سلسلۂ کلام کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے انہوں نے کہا:

’’اے اللہ کے رسول! میں اسلام قبول کر چکا ہوں مگر میرے قبیلے کے لوگ بھی اس بات سے بے خبر ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے جو حکم دینا چاہیں دیں۔ میں اس کی تعمیل کروں گا۔‘‘

’’تم ہمارے اندر وہ واحد شخص ہو، جو اس کام کو کر سکتا ہے۔ تم اپنے قبیلے والوں کے پاس جاؤ اور ہو سکے تو ان کو اس بات پر آمادہ کرو کہ وہ ہمارے خلاف جنگ سے ہاتھ کھینچ لیں اور قریش سے کنارہ کش ہو جائیں۔ جنگ میں چکمہ سے کام لینا اس کا ایک زبردست حربہ ہے۔‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

’’ہاں، اے اللہ کے رسول! انشاء اللہ! آپ عنقریب ایسی بات دیکھیں گے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور آپ کا جی خوش ہو جائے گا۔‘‘ انہوں نے جواب دیا۔

حضرت نُعیمؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت سے روانہ ہو کر اسی وقت بنو قریظہ کے پاس پہنچے...وہ پہلے سے ان کے دوست اور ہم نشین تھے...اور ان سے کہا:

’’بنو قریظہ! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تمہارا کتنا سچا دوست اور مخلص خیر خواہ ہوں۔‘‘

’’ہاں، تمہاری دوستی اور خیر خواہی ہر شبہے سے بالاتر ہے۔‘‘ انہوں نے جواب دیا۔

’’اس جنگ میں قریش اور غطفان کا معاملہ تمہارے معاملے سے سراسر مختلف ہے۔‘‘ حضرت نُعیمؓ نے کہا۔

’’وہ کیسے؟‘‘ بنو قریظہ نے پوچھا۔

’’وہ ایسے، انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا: کہ یہ شہر تمہارا شہر ہے۔ تمہارے بال بچے اور تمہارے اموال اسی شہر میں ہیں۔ تمہارے لئے یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ اسے چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جاؤ۔ رہا قریش اور غطفان کا معاملہ تو ان کے اموال، ان کے بچے اور ان کی عورتیں دوسرے شہر میں ہیں۔ وہ یہاں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جنگ کرنے آئے اور انہوں نے تم کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے توڑ ڈالنے اور ان کے خلاف اپنی مدد کی دعوت دی، جس کو تم قبول کر چکے ہو۔ اب اگر وہ اس جنگ میں کامیاب ہوتے ہیں تو اسے غنیمت سمجھیں گے، لیکن اگر وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مغلوب کرنے میں ناکام ہوئے تو تم کو بے یار و مددگار چھوڑ کر اپنے علاقے کی طرف واپس چلے جائیں گے، پھر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم سے بدترین انتقام لیں گے، اور تم خوب جانتے ہو کہ تنہا ان کا مقابلہ کرنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔‘‘

بنوقریظہ نے یہ سن کر کہا: ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو، لیکن اس معاملے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

''میری رائے اس کے بارے میں یہ ہے کہ جب تک وہ اپنے اشراف اور سربرآوردہ لوگوں کی ایک مُعتَد بہ تعداد بطور یرغمال تمہارے پاس نہیں رکھ دیتے، تم ان کے ساتھ جنگ میں شرکت کرنے سے انکار کردو؛ اس طرح تم ان کو اس بات پر مجبور کرسکو گے کہ وہ تمہارے ساتھ مل کر آخر دم تک محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جنگ کریں، پھر یا تو تمہیں غلبہ وکامرانی نصیب ہوجائے یا تمہارا اور ان کا آخری آدمی تک میدانِ جنگ میں کام آجائے۔'' حضرت نُعیمؓ نے ان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''تمہارا یہ مشورہ واقعی نہایت خیر خواہانہ ہے۔'' بنوقریظہ نے کہا۔

وہاں سے اپنا کام ختم کر کے حضرت نُعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ قریش کے سپہ سالار ابوسفیان بن حرب کے پاس پہنچے اور اس سے اور اس کے ساتھیوں سے کہا:

''اے گروہِ قریش! یہ بات تمہارے اوپر مخفی نہیں ہے کہ مجھے تم سے کتنی گہری محبت، اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ کیسی سخت عداوت ہے۔ مجھے ایک بڑی اہم بات معلوم ہوئی ہے اور تمہاری خیرخواہی کا تقاضا سمجھ کر میں یہ بات تمہارے گوش گزار کردینا ضروری سمجھتا ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ تم اس بات کو راز رکھو، کسی کے سامنے ظاہر نہ کرو۔'' جب قریش نے راز داری کا وعدہ کرلیا تو انہوں نے کہا:

''بنوقریظہ کے یہودی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ دشمنی مول لے کر اب بہت پچھتا رہے ہیں۔ اس کی تلافی کے لئے انہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے یہاں یہ کہلا بھیجا ہے کہ: ''ہم اپنے کئے پر سخت نادم ہیں اور آپ کے ساتھ صلح نامے کی تجدید کرنا چاہتے ہیں۔ تو کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ ہم قریش اور غطفان سے ان کے سرداروں کی ایک کثیر تعداد بطور یرغمال لے کر آپ کے حوالے کردیں کہ آپ ان کی گردنیں ماردیں۔ پھر جنگ میں ہم ان کے بجائے آپ کا ساتھ دیں اور آپ ان کے اوپر آخری اور فیصلہ کن وار کرسکیں۔'' اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کی اس پیشکش کو قبول کرلیا ہے، تو اگر یہودی تم سے یرغمال کے طور پر کچھ آدمیوں کا مطالبہ کریں تو تم ایک آدمی بھی ان کے حوالے نہ کرنا۔''

''تم ہمارے بہترین حلیف ہو، اللہ تعالیٰ تم کو بہترین جزادے۔'' ابوسفیان نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

حضرت نُعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ ابوسفیان کے یہاں سے نکل کر اپنے قبیلے بنوغطفان کے پاس پہنچے اور ان سے بھی وہی ساری باتیں کہیں جو ابوسفیان سے کہہ چکے تھے اور اس خطرے سے انہیں بھی چوکنا رہنے کی تاکید کی، جس سے ابو سفیان کو آگاہ کرچکے تھے۔

ابوسفیان نے بنوقریظہ کو آزمانے کے لئے ان کے پاس اپنے بیٹے کو بھیجا۔ اس نے ان سے کہا کہ میرے والد نے تم کو سلام کہا ہے اور

ختم نبوت تربیتی پروگرام، لکی مروت

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنماء استاذ المبلغین حضرت مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی مدظلہ اور صوبائی مبلغ مولانا عابد کمال سالانہ چناب نگر کورس کے سلسلے میں 29؍نومبر 2023ء بروز بدھ کو دوروزہ دورے پر ضلع لکی مروت تشریف لے آئے بروز بدھ نماز عصر مولانا محمد ابراہیم ادہمی کے مدرسہ جامعہ ثمرۃ التربیۃ ٹانچی آباد نورنگ میں ادا کی۔ نماز مغرب کے بعد حضرت مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی مدظلہ نے جامع مسجد تھوخیل میں ختم نبوت تربیتی پروگرام سے خطاب کیا۔ تربیتی پروگرام میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ضلع لکی مروت کے ضلعی ناظم حضرت مولانا مفتی ضیاء اللہ، ضلعی ناظم تبلیغ مولانا محمد طیب طوفانی، ناظم اطلاعات صاحبزادہ امین اللہ جان اور مولانا بشیر اللہ و دیگر حضرات بھی موجود تھے۔ نماز عشاء کے بعد صوبائی مبلغ مولانا عابد کمال، مولانا مفتی ضیاء اللہ، راقم الحروف مولانا محمد ابراہیم ادہمی، مولانا عجب نور حیدر اور مولانا مظہر حسین نے مرکزی جامع مسجد ممہ خیل ختم نبوت تربیتی پروگرام سے خطاب کیا۔ بروز جمعرات سرائے نورنگ کے مشہور وقدیم مدرسہ تعلیم الاسلام میں علماء وطلباء سے سالانہ ختم نبوت کورس کے حوالے سے بیان کیا۔ اس موقع پر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ضلع لکی مروت کے سرپرست اعلیٰ شیخ الحدیث حضرت مولانا حسین احمد مدظلہ، ضلعی امیر حضرت مولانا مفتی عبدالغفار، ضلعی ناظم اعلیٰ مولانا عبدالرحیم اور ناظم دفتر مولانا ماسٹر عمر خان بھی موجود تھے۔ اس کے بعد پیر طریقت حضرت مولانا عبدالصبور مدظلہ کے مدرسہ جامعہ دارالہدیٰ لکی روڈ کے اساتذہ وطلباء کو سالانہ ختم نبوت کورس کے حوالے سے بیان ارشاد فرمایا اور کثیر تعداد میں شرکت کی اپیل کی۔

تمہارے پاس یہ پیغام بھیجا ہے کہ: ’’ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے اصحاب کے خلاف اس محاصرے کی طوالت سے تنگ آچکے ہیں اور جلد از جلد ان کے ساتھ جنگ شروع کرکے اس قضیے کو نمٹادینے کا حتمی فیصلہ کرچکے ہیں، اس لئے تم بھی کل ان کے خلاف اپنی کارروائیوں کا آغاز کر دو۔‘‘ تو انہوں نے جواب دیا کہ کل تو سنیچر کا دن ہے۔ اس روز ہم کوئی کام نہیں کرتے۔ پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ ہم اس وقت تک تمہارے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوسکتے جب تک تم اپنے اور بنوغطفان کے سترسربرآوردہ اشخاص کو یرغمال کے طور پر ہمارے حوالے نہیں کردیتے۔ اس لئے کہ ہم کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ جب جنگ شدت اختیار کرجائے گی تو تم ہمیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مقابلے میں تنہا چھوڑ کر اپنے علاقے کی طرف بھاگ جاؤ گے اور تم جانتے ہو کہ ہم تنہا ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔‘‘

جب ابوسفیان کے لڑکے نے واپس جاکر اپنے لوگوں کو وہ باتیں بتائیں جو اس نے بنوقریظہ سے سنی تھیں تو سب نے یک زبان ہوکر کہا:

’’بڑے ملعون ہیں یہ بندروں اور خنزیروں کی اولاد، خدا کی قسم! اگر یہ ہم سے یرغمال کے طور پر ایک بکری بھی مانگیں تو ہم انہیں نہیں دے سکتے ہیں۔‘‘

حضرت نُعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے منصوبے کے مطابق متحدہ جماعتوں کی صفوں کو پراگندہ کرنے اور ان کے درمیان پھوٹ ڈالنے میں پورے طور پر کامیاب ہوگئے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے قریش اور ان کے حلیفوں کے اوپر تیز اور سرکش آندھی کے جھکڑ بھیج دیئے جن کی زد میں آکر ان کے خیمے اکھڑ گئے، دیگیں الٹ گئیں اور چولہے بجھ گئے۔ تیز ہوائیں ان کے چہروں پر طمانچے لگاتی اور آنکھوں میں مٹی ڈال رہی تھیں۔ اب سوائے اس کے کہ وہ یہاں سے کوچ کر جائیں اس مصیبت سے نجات کی کوئی دوسری راہ انہیں نظر نہیں آرہی تھی۔ چنانچہ راتوں رات وہ وہاں سے روانہ ہوگئے۔ جب صبح کو مسلمانوں نے دیکھا کہ ان دشمنانِ خدا کے وجود سے پورا میدان صاف ہوچکا ہے اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے ہیں تو خوشی سے چلا اٹھے۔

’’الحمد للّٰہ الذی نصر عبدہ واعز جندہ وھزم الاحزاب وحدہ۔‘‘

ترجمہ: ’’شکر ہے اس خدا کا جس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی، اپنے لشکر کی مدد کی اور تنہا متحدہ فوجوں کا منہ پھیر دیا۔‘‘

اس روز کے بعد سے حضرت نُعیم بن مسعودؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتہائی قابلِ اعتماد لوگوں کی صف میں اپنا مقام پیدا کرچکے تھے۔ آپ نے ان کو والی بھی بنایا اور فوجی دستوں کی قیادت بھی ان کے سپرد کی۔

فتح مکہ کے موقع پر ابوسفیان لشکرِ مجاہدین کے مختلف دستوں کو یکے بعد دیگرے اپنے سامنے سے گزرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ جب اس نے قبیلۂ غطفان کے علمبردار کو دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا: ’’یہ کون ہے؟‘‘

’’یہ نُعیم بن مسعود ہیں۔‘‘ اس کے ساتھیوں نے بتایا۔

’’اس نے جنگ احزاب کے موقع پر ہمارے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا تھا۔ خدا کی قسم! یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا سب سے کٹر دشمن تھا اور یہ دیکھو آج یہ اپنے قبیلے کا جھنڈا اٹھائے ان کے آگے آگے چل رہا ہے اور ان کی ماتحتی میں ہمارے ساتھ لڑنے کے لئے جارہا ہے۔‘‘ ابوسفیان نے کہا۔ ☆☆

’’کیا پھر جنت ایسے ہی مل جائے گی؟‘‘

شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ جب ڈاکٹر فضل الرحمانی فتنہ عروج پر تھا اور اسے ایوب خان کی حمایت اور حکومت کی سرپرستی حاصل تھی۔ مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ اس کے قلع قمع میں مصروف تھے (خود حضرت شہید اسلامؒ نے بھی اپنی تحریروں کا آغاز اس فتنہ کی سرکوبی سے فرمایا تھا) میں ایک دن ظہر کی نماز کے بعد بیٹھا انہی فتنوں پر غور کررہا تھا کہ اچانک دل ہی دل میں، میں نے اپنے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کرتے ہوئے عرض کی: ’’یا اللہ! آپ قادر مطلق ہیں، ایک فتنہ ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا فتنہ شروع ہوجاتا ہے، کیا اسی طرح ہماری زندگی گزر جائے گی؟ کیا اہلِ حق اسی طرح پریشانی کی حالت میں رہیں گے؟‘‘ یہ گفتگو کرتے ہوئے میں روتا رہا کہ اتنے میں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں: ’’کیا پھر جنت ایسے ہی مل جائے گی؟‘‘ اس فقرہ نے گویا دل کی سلگتی آگ میں ایک ٹھنڈک کی کیفیت پیدا کردی اور سکون واطمینان نصیب ہوگیا۔‘‘

(دورِ جدید کا مسیلمہ کذاب گوہر شاہی، ص:۳۰)

انتخاب:.... مولانا محمد قاسم، کراچی

فکرِ شیخ الہندؒ کے عصری تقاضے!

(بزم شیخ الہند کے زیر اہتمام 30 نومبر 2023ء کو گوجرانوالہ میں منعقدہ شیخ الہند سیمینار سے
حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ کا خطاب جسے حافظ خرم شہزاد نے تحریر کیا)

بعد الحمد و الصلوٰۃ!

بزمِ شیخ الہند اور جمعیۃ طلباء اسلام ضلع گوجرانوالہ کا شکر گزار ہوں کہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس اللہ سرہ العزیز کو ہمیں ایسے وقت میں دوبارہ یاد دلایا کہ جس وقت پوری دنیائے اسلام میں ان کے مشن، وژن اور طریقہ کار کو اپنانے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔

حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی، پروفیسر ڈاکٹر امجد علی شاکر، مولانا حافظ غضنفر عزیز اور تمام مہمانوں کا شکر گزار ہوں کہ وہ تشریف لائے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی جدوجہد کے حوالے سے مختلف پہلوؤں پر اپنے مطالعہ، تحقیق اور تجزیہ کا ماحصل پیش کیا۔

میں آخر میں صرف شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مالٹا سے واپسی کے بعد جو کام کیے تھے ان کو پانچ نمبروں میں بیان کروں گا۔

(1) ان کا پہلا کام تو آزادی کی جدوجہد تھا، ان کی ساری زندگی بیرونی مداخلت کاروں، بیرونی آقاؤں، ان کے نظام اور بیرونی نو آبادیاتی سسٹم سے ملک کو آزاد کرانے سے عبارت تھی۔ یہ ان کا بنیادی مقصد تھا۔ ملک کو آزاد کرانا، قومی خود مختاری حاصل کرنا اور غیر ملکی دخل اندازی کو روکنا۔

میں پوچھنا چاہوں گا کہ کیا یہ مقصد ہمیں حاصل ہو گیا ہے؟ یہ مقصد پورا ہو گیا ہے یا ابھی ادھورا ہے؟ لہٰذا آج بھی آزادی ہماری ضرورت ہے۔ قوم سے آزادی، نوآبادیاتی نظام سے آزادی، بیرونی مداخلت کاری سے آزادی اور اپنی قومی خود مختاری۔ آج بھی اسی طرح یہ ہماری ضرورت ہے جس طرح شیخ الہند کے زمانے میں تھی۔

(2) دوسری بات حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی تحریک میں جسے تحریک ریشمی رومال کہتے ہیں اور جس کو برٹش استعمار کے کاغذات میں ریشمی خطوط سازش کیس اور جرمن سی آئی ڈی برلن پلان کہتی ہے۔

انہوں نے اس کا ہدف متعین کیا اور وہ تھا حکومت الٰہیہ۔ یہ قومی، ملی اور دینی تحریک تھی۔ اس میں انہوں نے آزادی کا مقصد اور جدوجہد کا تعین کیا۔ یہ نعرہ نہیں تھا کتاب اور پورا دستور ہے کہ جب ہم آئیں گے تو حکومت الٰہیہ ہوگی اور اس کا دستور یہ ہوگا۔ آج تک کتاب تو موجود ہے باقی باتیں ہم بھول گئے ہیں۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آزادی اور آزادی کے بعد حکومت الٰہیہ ہمیں حاصل ہو گئی ہے؟ آسمانی تعلیمات کی علمبرداری

ختم نبوت کانفرنس، لودھراں

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام بلدیہ گراؤنڈ میں ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔ صدارت جامعہ سراج العلوم کے مہتمم اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد میاں مدظلہ نے کی، جبکہ تلاوت کلام پاک کی سعادت جامع سراج العلوم کے مدرس قاری فضل احمد نے حاصل کی۔ کانفرنس سے جمعیت علماء اسلام کے راہنما مولانا سید احمد سعید کاظمی، مجلس علماء اہلسنت کے مرکزی مبلغ مولانا سید محمد اسماعیل شاہ کاظمی، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی راہنما مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی، مولانا محمد اسحاق ساقی اور مجلس علماء اہلسنت پاکستان کے مرکزی راہنما مولانا عبدالکریم ندیم نے خطاب کیا۔ مقررین نے عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت پر قرآن وسنت سے مدلل گفتگو کی۔ نیز فلسطین پر اسرائیلی بمباری، فلسطینی بچوں، بچیوں، عورتوں اور بوڑھوں کے قتل عام کی مذمت کی۔ سامعین سے اسرائیلی مصنوعات اور قادیانی مصنوعات کے بائیکاٹ کا مطالبہ کیا۔ نیز لودھراں میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے فاضل دیوبند حضرت مولانا سید بشیر احمد شاہ، مولانا محمد موسیٰ، صوفی محمد علی، جناب عبدالحمید بٹ، صوفی نور محمد مجاہد کی خدمات پر انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان شخصیات نے اس وقت ختم نبوت کا دیپ جلائے رکھا جب ختم نبوت کا نام لینا جرم سمجھا جاتا تھا۔ ان حالات میں حکمران کے ظلم و جبر اور تشدد برداشت کیا، لیکن ختم نبوت کا علم نہیں گرنے دیا۔ کانفرنس مولانا عبدالکریم ندیم کی دعا پر اختتام پذیر ہوئی۔ (ذبیح فاروقی)

ہمیں مل گئی ہے اور کیا شریعت کا نفاذ ہو گیا ہے؟

(3) ایک دور تھا مسلح جدوجہد کا، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے کہا کہ اب ہم مسلح جدوجہد نہیں کریں گے بلکہ سیاسی جدوجہد کریں گے۔ ہتھیار اٹھائے بغیر جنگ کریں گے۔ اور جنگ کی بھی۔ اُن کے اس وژن پر ملک میں سب سے پہلی تحریک کلکتہ سے پشاور تک تحریک خلافت کے نام سے منظم ہوئی اور یہ ایک پُرامن تحریک تھی۔ پورے برصغیر میں لوگ سڑکوں پر تھے اور اسٹریٹ پاور پوری قوت کے ساتھ میدان میں تھی۔ آج وہ اسٹریٹ پاور ہم سے گم ہو گئی ہے۔

(4) شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے چوتھا کام یہ کیا کہ دونوں قیادتوں کو اکٹھا کیا تھا تمام تر اختلافات کے باوجود۔ دیوبند اور علی گڑھ کو ایک اسٹیج پر جمع کیا تھا۔ اور شیخ الہندؒ کے بعد جتنی تحریکیں چلی ہیں اس میں سب علماء اور علی گڑھ والے اکٹھے تھے۔ مولانا محمد علی جوہرؒ یہ دیوبند کے فارغ التحصیل نہیں تھے، مولانا شوکت علی، کسی مدرسے کے فارغ نہیں تھے۔ مولانا ظفر علی خان، علی گڑھ کے فاضل اور علیگ تھے۔ لیکن مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور مولانا ظفر علی خان کو ''مولانا'' کا ٹائٹل حضرت شیخ الہندؒ نے دیا تھا۔

درمیان میں ایک لطیفہ سناتا جاؤں کہ وزیر آباد جو مولانا ظفر علی خانؒ کا شہر بھی ہے، پچھلے سال وہاں ایک سیمینار تھا میں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم بڑے تنگ دل ہیں یہ دوسروں کو برداشت نہیں کرتے۔ آپ نے مولانا ظفر علی خان کو علی گڑھ بھیجا تھا مسٹر بننے کے لیے، ہم نے مولانا بنا کر آپ کو واپس کر دیا۔ ہم سے زیادہ فراخ دل کون ہوگا؟ یہ بات درمیان میں چھوڑتے ہوئے عرض کروں گا کہ حضرت شیخ الہندؒ نے دونوں قیادتوں کو اکٹھا کیا تھا۔ کیا آج دونوں قیادتیں اکٹھی ہیں؟

(5) پانچویں اور آخری بات، انہوں نے کہا آپس کے جھگڑے چھوڑ کر قرآن پاک اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس آجاؤ۔

حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک کے یہ پانچ نکات ہیں؛ آزادیٔ کامل، حکومت الٰہیہ، غیر مسلح جدوجہد، قدیم اور جدید کا اتحاد اور قرآنی تعلیمات کی طرف واپسی۔ یہ ان کی جدوجہد کے پانچ نکات ہیں۔

آج بھی اسی طرح کھڑے ہیں جیسے ان کے زمانے میں تھے اور جو جدوجہد انہوں نے کی ہماری محبت اور عقیدت ہم سے تقاضا کر رہی ہے کہ انہی پانچ نکات کے لیے محنت کریں، قومی آزادی کے لیے محنت کریں۔ انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی اور برٹش استعمار کے خلاف کی تھی اور آج ہماری جدوجہد آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور امریکا کے خلاف ہوگی۔ ان کو ایسٹ انڈیا کمپنی نچوڑ رہی تھی اور ہمیں آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور عالمی مالیاتی ادارے نچوڑ رہے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے دونوں قیادتوں کو اکٹھا کیا تھا مگر آج ہم نے الگ الگ جھنڈے سنبھالے ہوئے ہیں لہٰذا اکٹھا ہونا ہوگا اور قرآن پاک اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس آنا ہوگا۔ حکومتِ الٰہیہ کو اپنا ٹارگٹ بنانا ہوگا۔

یہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کا پانچ نکات کی شکل میں خلاصہ عرض کیا ہے۔ اللہ پاک ہمیں ان کی یاد منانے کے ساتھ ساتھ ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی، ان کے وژن اور جدوجہد کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں ایک بار پھر اپنے معزز مہمانوں اور منتظمین کا شکر گزار ہوں۔ اللہ پاک ہمیں ان عزائم میں پیشرفت نصیب فرمائے، آزادی اور کامیابی نصیب فرمائے۔ آمین۔☆☆

ختم نبوت کانفرنس کے راہنماؤں کے اعزاز میں ظہرانہ

۱۲/اکتوبر ۲۰۲۳ء کو کمپنی باغ کرکٹ گراؤنڈ ڈیرہ غازی خان کی عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس کی کامیابی کے لئے کوشش و کاوش کرنے والے علمائے کرام و خدام ختم نبوت کے اعزاز میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر میں ظہر کی نماز کے بعد ۱۹/نومبر کو ظہرانہ کا اہتمام کیا گیا، مہمانِ خصوصی مرکزی راہنما مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی تھے۔ ظہرانہ میں مقامی امیر مولانا عبدالرحمٰن غفاری، مولانا عبدالعزیز، مولانا یوسف شہزاد، مولانا محمد یونس، مولانا نعمان رحمانی، مولانا ابوبکر، مولانا محمد یامین سمیت دو درجن سے زائد خدامِ ختم نبوت نے شرکت کی۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی راہنما مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی، ڈویژنل مبلغ مولانا محمد اقبال ساقی نے ان حضرات سمیت جن رضا کاروں نے کوشش کی انہیں خراج تحسین پیش کیا۔ ظہرانہ کی تقریب مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی کی دعا پر اختتام پذیر ہوئی۔ (محمد اقبال ساقی)

راقم کے محسن علماء

حضرت مولانا غلام ربانیؒ رحیم یار خان

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

۱۹۷۷ء کے اوائل میں راقم جب رحیم یار خان میں مبلغ بن کر آیا تو جمعیت علماء اسلام کے ممتاز راہنما مولانا غلام ربانیؒ جن کا رحیم یار خان میں طوطی بولتا تھا، آپ مکی مسجد چوک پٹھانستان کے امام وخطیب تھے۔ بہت ہی جرأت مند اور بہادر عالم دین تھے۔ آپ بنیادی طور پر بہبودی اٹک کے رہنے والے تھے، خطیب بن کر آئے اور رحیم یار خان کے ہوکر رہ گئے۔ آپ نے جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

آپ کا سن پیدائش ۱۹۲۴ء ہے۔ آپ نے تحریک ہائے ختم نبوت ۱۹۵۳ء، ۱۹۷۴ء اور ۱۹۸۴ء میں پروانہ وار حصہ لیا۔ قیدوبند کی صعوبتیں ان کے راستہ کی رکاوٹ نہ بن سکیں۔ نیز آپ نے تحریک نظام مصطفیٰ ۱۹۷۷ء میں والہانہ کردار ادا کیا۔ آپ کے حکم سے راقم الحروف اڑھائی تین ماہ پاکستان قومی اتحاد کی تحریک نظام مصطفیٰ میں اسٹیج سیکریٹری کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ ضلع انتظامیہ آپ کا بہت احترام کرتی تھی۔ جب بھی کسی جماعتی ساتھی کا مسئلہ سامنے آیا۔ لاٹھی اٹھا کر چل دیتے، اس وقت موٹر سائیکلیں تو خال خال ہوتی تھیں، عام طور پر تانگہ پر بیٹھ کر ڈپٹی کمشنر، ایس ایس پی اور ماتحت افسران کے پاس جماعتی رفقاء کی ضروریات ومسائل کے لئے جانے میں شرم محسوس نہ کرتے، آپ کی مساعی جمیلہ سے سینکڑوں مظلوم جماعتی رفقاء کو ظلم سے نجات ملی۔ دسیوں کارکنوں کی زمینوں پر ناجائز قبضے ختم کرائے، کئی ایک رفقاء کے خلاف ناجائز قائم کردہ کیس ختم کرائے۔

راقم نے جب جماعتی زندگی میں قدم رکھا، رحیم یار خان میں مجلس کا کوئی دفتر نہ تھا۔ مکی مسجد جس کے آپ خطیب تھے، وہی ہمارا ہیڈ کوارٹر تھا۔ مجلس کا رحیم یار خان میں کوئی وجود نہ تھا۔ چوہدری محمد سلیم، سلیم فرنیچر ورکس رحیم یار خان مجلس کے امیر اور مولانا رشید احمد لدھیانویؒ ناظم اعلیٰ تھے۔ ایک الماری تھی وہ مولانا نذیر احمد بلوچ اٹھا کر لے گئے۔ اللہ پاک حضرت مولانا غلام ربانیؒ، قاری حماد اللہ شفیقؒ کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے شاہی روڈ پر واقع جمعیت علماء اسلام کے دفتر پر مجلس کے دفتر کا بورڈ لگانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ اس پر بھی بعض جمعیتی احباب چیں بجبیں ہوئے اور کہا کہ جمعیت کے دفتر پر مجلس تحفظ ختم نبوت کا قبضہ ہوگیا ہے۔ قاری حماد اللہ مرحوم نے اسے کہا کہ اللہ پاک کا شکر ادا کرو کہ دفتر آپ کا ہے، ایک عالم دین بلا معاوضہ تمہارے دفتر کو کھول کر بیٹھتا ہے۔ اس کی

ڈنمارک میں قرآن پاک کی بے حرمتی غیر قانونی قرار

کوپن ہیگن (مانیٹرنگ ڈیسک) مسلمان ممالک کا شدید دباؤ، ڈنمارک میں قرآن پاک کی بے حرمتی غیر قانونی قرار دے دی گئی۔ بل کے حق میں ۹۴ جبکہ مخالفت میں ۷۷ ووٹ پڑے۔ حکومت کا کہنا ہے کہ نئے قانون کی خلاف ورزی پر جرمانہ یا دوسال تک قید کی سزا ہوسکتی ہے۔ یہ بل بائبل اور تورات کو سرِ عام جلانے کو بھی جرم قرار دیتا ہے۔ خیال رہے کہ ڈنمارک اور سویڈن میں پچھلے کئی ماہ میں قرآن پاک کی بحرمتی کے متعدد واقعات ہوئے تھے جس کے بعد مسلمان ممالک نے ایسی مذموم حرکتوں پر پابندی کا مطالبہ کیا تھا۔ مبصرین کے مطابق ڈنمارک نے اس قانون کے ذریعے اپنے آزادیٔ اظہار کے قانون اور قومی سلامتی کے درمیان توازن قائم کرنے کی کوشش کی ہے، کیونکہ قرآن کی بے حرمتی کے واقعات سے دنیا بھر سمیت ڈنمارک کی مسلم کمیونٹی میں شدید تحفظات پائے جاتے تھے۔ ڈینش وزیر خارجہ لارس لوکے راسموسن کے مطابق اس اقدام نے عالمی اہمیت کا پیغام دیا۔ وزیر انصاف پیٹر ہملگارڈ نے واضح کیا کہ اس قانون کا مطلوبہ مقام موجودہ ضوابط کے اندر تھا جو پہلے ہی غیر ملکی جھنڈوں کی بے حرمتی پر پابندی لگاتے ہیں۔ یہ قانون کسی بھی مذہبی کمیونٹی کے لئے مذہبی طور پر اہم سمجھی جانے والی اشیا کو غلط طریقے سے ہینڈل کرنے کا احاطہ کرے گا۔ وزیر انصاف نے ایک پریس کانفرنس کے دوران کہا کہ حالیہ قرآن پاک جلانے کا مقصد جان بوجھ کر اشتعال انگیزی تھا جس کا مقصد ''تقسیم اور دشمنی'' کو ہوا دینا تھا اور یہ کہ مجوزہ پابندی کے پیچھے قومی سلامتی بنیادی محرک تھی۔ (روزنامہ اسلام کراچی، ۸؍دسمبر ۲۰۲۳ء)

صفائی کرتا ہے۔آنے والے مہمانوں کو چائے پلاتا ہے۔جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا،مجلس رحیم یار خان کے ناظم اعلیٰ مولانا رشید احمد لدھیانویؒ تھے۔ان کی ترجیحات اور تھیں، یعنی سیاسی ذوق رکھتے تھے۔ مجلس کی نئی ممبر سازی ہوئی تو مذکورہ بالا تینوں حضرات کے مشورہ سے مولانا قاضی عزیز الرحمٰن رنگویؒ امیر اور قاری عبدالخالق احرارؒ ناظم اعلیٰ، حافظ محمد الیاسؒ لوہار مارکیٹ والے ناظم مقرر کئے گئے۔ قاری عبدالخالق احرارؒ بستی امانت علی رحیم یار خان میں مولانا ڈاکٹر نذیر مسلمؒ کے مدرسہ میں مدرس تھے، بعد میں ایئرپورٹ پر اپنا مدرسہ بنالیا۔

بستی امانت علی سے ملحقہ ایک محلہ قمر آباد کی جامع مسجد القمر میں کوئی امام و خطیب نہیں تھا۔ میرے پاس کوئی دفتر نہ تھا، محلہ قمر آباد کے احباب نے قاری عبدالخالق احرارؒ سے درخواست کی کہ ہمیں کوئی امام وخطیب دیں تو موصوف نے مجھے حکم فرمادیا اور ان پر واضح کر دیا کہ مولانا شجاع آبادی بنیادی طور پر مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ ہیں، ان کے پاس رحیم یار خان کی چار تحصیلیں صادق آباد، خان پور، لیاقت پور اور رحیم یار خان ہیں، جب رحیم یار خان میں ہوں گے نماز بھی بلا معاوضہ پڑھادیں گے اور خطبہ جمعہ بھی۔ چنانچہ راقم نے مسجد کا چارج سنبھالتے ہی صبح کی نماز کے بعد درس قرآن بھی شروع کر دیا۔ مسجد کے متولی نمازی ہونے کے باوجود آزاد خیال انسان تھے، وہ راقم الحروف کی احراری گفتگو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے راقم کو نکالنے کے پروگرام بنانا شروع کر دیئے۔

جمعیت علماء اسلام کے صوبائی امیر امام الہدیٰ حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ تھے اور قاری نورالحق قریشیؒ ملتان ناظم اعلیٰ، مولانا غلام ربانیؒ نائب امیر اور تاحیات نائب امیر رہے۔آپ نے بے باکی، جرأت مندی اور بہادری کے ساتھ وقت گزارا، راقم ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۰ء تک رحیم یار خان میں رہا، آپ قدم قدم پر نوآموز کی سرپرستی فرماتے رہے۔آپ کے نام سے قادیانیت لرزہ براندام ہو جاتی تھی۔آپ ڈھابیل کے فاضل تھے۔علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے بخاری شریف پڑھی، دارالعلوم دیوبند میں بھی پڑھتے رہے۔ مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ، مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیعؒ، شیخ الحدیث مولانا نصیرالدین غورغشتویؒ سے پڑھا۔ نیز حضرت مولانا حسین علی واں بھچرویؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے۔

آپ کی وفات ۳۰/اکتوبر ۱۹۹۱ء کو ہوئی، جبکہ پیدائش ۱۹۲۴ء کی تھی۔ سڑسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند ارجمند مولانا عبدالرؤف ربانی مدظلہ کو جانشین مقرر کیا گیا۔آپ کی نماز جنازہ میں جمعیت علماء اسلام کی مرکزی وصوبائی قیادت نے شرکت کی اور حضرت درخواستیؒ نے امامت کے فرائض سرانجام دیئے۔ان دنوں جمعیت علماء اسلام کا خان پور مخزن العلوم میں اجلاس ہو رہا تھا۔ تدفین آپ کے آبائی علاقہ بہبودی میں ہوئی۔آپ کے والد محترم مولانا سعداللہ ولایتی حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد رشید تھے۔

☆☆ .... ☆☆

مولانا مفتی گلزار احمد گلؒ حاصل پور

.... مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

مولانا مفتی گلزار احمد گل جٹ برادری کی شاخ گل سے تعلق رکھتے تھے۔ دارالعلوم کبیروالا سے علوم نبویہ کی تحصیل کی۔ مولانا مفتی علی محمدؒ، مولانا مفتی عبدالقادرؒ، مولانا مفتی محمد انورؒ اور دارالعلوم کبیروالا کے عظیم اساتذۂ کرام جن میں مولانا ظفر احمد قاسمؒ بھی تھے، کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے اور ۱۹۸۸ء میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ نیز مولانا مفتی حامد حسن مدظلہ مہتمم دارالعلوم کبیروالا کے ساتھ مل کر ۱۹۸۹ء میں تخصص فی الفقہ کرنے کے بعد مفتی کہلائے۔ آپ کے خاندان کے لوگ فیکٹریوں کے مالک تھے اور حاصل پور میں فیکٹریاں چلا رہے تھے۔ مولانا قاری امیدالرحمٰن، قاری محمد یٰسین صدیقی نے جامعہ ابی ہریرہؓ کے نام سے ادارہ قائم کیا۔ قاری امیدالرحمٰن باہر چلے گئے اور قاری غلام یٰسین نے بہاولپور میں جامعہ صدیقیہ کے نام سے ادارہ قائم کرلیا اور آپ کو جامعہ ابی ہریرہ سنبھالنے کی پیشکش کی تو موصوف نے کہا کہ میں اپنے شیخ خواجہ خواجگان حضرت اقدس مولانا خواجہ خان محمد نوراللہ مرقدہ اور مولانا حق نواز جھنگویؒ سے مشورہ کروں گا تو دونوں حضرات نے فرمایا کہ ڈاکٹر کلینک میں اچھا لگتا ہے، وکیل چیمبر میں، عالم دینی ادارہ میں، تو ۱۹۹۰ء میں جامعہ ابی ہریرہ کا نظم سنبھالا، قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ سے ۱۹۸۵ء سے تعلق تھا۔ ۱۹۹۶ء میں جمعیت علماء اسلام پنجاب کے ناظم بھی رہے۔ ۲۰۰۲ء کے جنرل الیکشن میں حاصل پور کی سیٹ سے الیکشن لڑا اور پندرہ ہزار ووٹ لئے، جبکہ جیتنے والے نے بیس ہزار لئے۔ ہمارے ٹوبہ ٹیک سنگھ سے امیر مولانا سعداللہ لدھیانوی سلمہ آپ کے بھائی کے فرزند نسبتی ہیں۔ ۳۰/اگست ۲۰۲۳ء دن ۱۱ بجے ۶۳ سال کی عمر میں انتقال ہوا، اسی روز عشاء کی نماز کے بعد آپ کے پیرزادہ مولانا قاری عتیق الرحمٰن ہزاروی مدظلہ کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کی گئی، جس میں ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی اور آپ کو حاصل پور میں سپرد خاک کیا گیا۔ پسماندگان میں ایک بیٹی اور ایک بیٹا سوگوار چھوڑے ہیں۔

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی کے

دعوتی وتبلیغی اسفار

جامع مسجد شیخ لاہوری جھنگ: مسجد میں ۲۱؍اکتوبر بعد نماز عشاء ختم نبوت کے عنوان پر جلسہ منعقد ہوا۔ صدارت مولانا غلام مرتضیٰ نے کی، نعتیہ کلام حافظ طلحہ نے پیش کیا۔ مولانا عبدالحکیم نعمانی اور راقم الحروف کے بیانات ہوئے، جن میں عقیدۂ ختم نبوت کی حفاظت کے سلسلہ میں علماء کرام کی خدمات اور قربانیوں پر روشنی ڈالی گئی اور چناب نگر کانفرنس میں قافلہ کی صورت میں شرکت کی دعوت دی۔

جامع مسجد محلہ قاضیاں: تحریک ختم نبوت کا قدیمی مرکز ہے۔ مولانا ظہور احمد سالکؒ فاضل جامعہ خیرالمدارس ملتان ایک عرصہ تک اس کے خطیب رہے۔ موصوف عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت جھنگ کے زعماء میں شامل تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند ارجمند مولانا حبیب احمد خطیب، قاری خلیل احمد امامت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ ۲۲؍اکتوبر صبح کی نماز کے بعد راقم کا بیان ہوا، بعدازاں قاری خلیل احمد نے شہر کے علماء اور جماعتی کارکنوں کے اعزاز میں ناشتہ کا اہتمام کیا۔ مقامی امیر مولانا سید مصدوق حسین شاہ مدظلہ کی صدارت میں علماء کرام کا اجلاس ہوا۔ مہمان خصوصی محمد اسماعیل شجاع آبادی تھے۔ اجلاس میں فلسطین کے نہتے مسلمانوں پر اسرائیلی مظالم کی پُرزور مذمت کی گئی۔ کانفرنس میں شرکت کے لئے پروگرام پر غور وخوض ہوا۔ نیز کانفرنس میں شرکت کا عہد کیا گیا اور علماء جھنگ نے کہا کہ ہم پہلے بھی شرکت کرتے تھے اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔ مولانا غلام حسین مدظلہ کی جھنگ میں عظیم خدمات پر انہیں خراج تحسین پیش کیا گیا اور ان کی صحت وعافیت کے لئے دعا کی گئی۔ حضرت مولانا حافظ صدرالدین لدھیانویؒ کمالیہ کے امیر تھے۔ حضرت حافظ صاحبؒ کو اللہ پاک نے چھ بیٹے عطا فرمائے، ان کے دو بیٹے وفات پاچکے ہیں ان کے ایک فرزند ارجمند الحاج عطاء اللہ جو کافی عرصہ سعودی عرب رہے۔ گزشتہ دنوں ان کا انتقال ہوا، تو راقم نے ان سے فون پر تعزیت کی، باتوں باتوں میں ان کے پوچھنے پر راقم نے اپنے جھنگ میں ہونے کا بتایا، انہوں نے کہا کہ ۲۲؍اکتوبر ۲۰۲۳ء کو میری رہائش گاہ پر تشریف لائیں تو راقم قاری خلیل احمد سالک اور جناب انورسعید کی معیت میں حاضر ہوا۔ تعزیتی کلمات سے فارغ ہوئے تو کہنے لگے کہ میں ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے زمانہ میں مدرسہ اشرف المدارس فیصل آباد میں زیر تعلیم تھا تو معلوم ہوا کہ ۲۹؍مئی کو سانحہ ربوہ ہوا، تو ہم نے جوش وولولہ کے ساتھ بازار بند کرائے۔ حضرت مولانا تاج محمودؒ کی فرمائش پر پورا فیصل آباد آناً فاناً بند ہوگیا اور ریلوے اسٹیشن پر تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ میں ان دنوں تعلیم کے ساتھ ساتھ جمعیت طلبا اسلام کے پلیٹ فارم سے ملکی وملی خدمات سرانجام دے رہا تھا۔ یہ وہ دور تھا کہ جمعیت طلبا اسلام کا عروج تھا۔ جناب اسلوب قریشی مرکزی صدر، جناب سید مطلوب علی زیدی مرکزی جنرل سیکریٹری تھے۔ خیر پور ٹامیوالی کے رانا شمشاد علی خان صدر پنجاب تھے، بڑا عجیب دور تھا۔ قادیانیت کے خلاف مسلمانوں کا جوش وجذبہ قابل دید تھا۔ ہم نے بھی جوانی کے جوش وخروش کے ساتھ بھرپور حصہ لیا اور ۱۹۷۴ء کی تحریک میں گرفتاری بھی ہوئی۔ یہ میری پہلی گرفتاری تھی، پھر جمعیت طلبا اسلام دوحصوں میں تقسیم ہوئی۔ درخواستی گروپ، رائے پوری گروپ (مولانا سعید احمد رائے پوری) جو جمعیت طلبا اسلام کے بانی بھی تھے۔ مولانا صدرالدین لدھیانوی نے فرمایا کہ اس وقت جمعیت طلبا اسلام مقبول ترین جماعت تھی، ملک بھر کے جامعات کے جلسے جو تین تین دن کے ہوتے تھے۔ ان کی ہر نشست میں کوئی نہ کوئی طالب علم لیڈر ضرور مدعو ہوتا۔ ان طالب علم لیڈروں میں حاصل پور کے ندیم اقبال شہید، چیچہ وطنی کے حافظ محمد طاہر، جناب جاوید ابراہیم پراچہ کوہاٹ عصری تعلیمی اداروں سے اور دینی اداروں سے مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ، جناب حافظ حسین احمد، مولانا عبدالرؤف ربانی رحیم یار خان، مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم کی سیاسی تربیت بھی جمعیت طلبا اسلام سے ہوئی۔ راقم نے انہیں بتلایا کہ راقم کا تعلق بھی جمعیت طلبا اسلام سے رہا ہے۔ نیز مولانا لدھیانوی نے کہا کہ آپ کے مرکز کی مسجد میں،

میں نے بھی ایک جمعہ پڑھایا، میں اس وقت جامعہ قاسم العلوم ملتان میں زیر تعلیم تھا۔ نیز انہوں نے کہا کہ جے ٹی آئی کے اختلاف کے دنوں میں، میں قاسم العلوم میں طالب علم تھا لیکن میرا تعلق مولانا سعید احمد رائے پوری کے گروپ سے تھا۔ راقم نے کہا کہ میں بھی رائے پوری گروپ میں تھا، مولانا سعید احمد رائے پوری کی اہلیہ محترمہ کی وفات کا اعلان عارف والا میں ہوا، تو راقم جنازہ میں بھی شریک ہوا اور مولانا سے تعزیتی کلمات کہنے کے بعد بتلایا کہ میں بھی آپ کے گروپ سے متعلق رہا تو جناب اسلوب قریشی، سید مطلوب علی زیدی کو مولانا نے آواز دی کہ آپ کے پرانے ساتھی آئے ہیں۔ راقم نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں آپ کا پرانا ساتھی ہوں، کافی دیر مجلس رہی۔ اتنے میں مولانا عبدالحکیم نعمانی کا فون آیا کہ سبق کا ٹائم ہو رہا ہے تو راقم اجازت لے کر مولانا ابو ایوب قادری مدظلہ کے ادارہ میں چلا گیا۔ ☆☆

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ کو اللہ پاک نے دو بیٹوں سے سرفراز فرمایا، بڑے بیٹے کا نام آپ نے اپنے والد محترم مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے نام پر حبیب الرحمٰن رکھا۔ موصوف نے ابتدائی تعلیم جامعہ اشرف المدارس فیصل آباد سے حاصل کی۔ جامعہ مدنیہ لاہور میں بھی پڑھتے رہے، کچھ عرصہ جامعہ باب العلوم کہروڑپکا میں بھی زیر تعلیم رہے۔ دورۂ حدیث شریف ۱۹۷۶ء میں جامعہ خیر المدارس ملتان سے کیا۔ فراغت کے بعد اپنے والد محترم کے قائم کردہ ادارہ جامعہ ملیہ کا نظم و نسق سنبھالا۔ آپ بہت ہی باصلاحیت نوجوان تھے۔ آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے جامعہ ملیہ کو چار چاند لگا دیئے اور کوہِ قامت عمارت اور وسیع و عریض مسجد کی آبیاری شروع کر دی۔ آپ کو لکھنے پڑھنے کا ذوق قدرت نے ودیعت کر دیا تھا۔ اس ذوق کو جلا بخشنے کے لئے ''ماہنامہ ملیہ'' جاری کیا اور کچھ کتابیں بھی لکھیں۔

بعض احباب نے یہ تاثر دیا کہ مرزا قادیانی کے کفر پر سب سے پہلا فتویٰ مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا نذیر حسین دہلوی اور دوسرے حضرات نے دیا۔ آپ نے دلائل و براہین کے ساتھ اس کا رد کرتے ہوئے مرزا قادیانی کے کفر پر ''سب سے پہلا فتویٰ تکفیر'' کتاب تحریر کی، جس میں ثابت کیا کہ مرزا قادیانی پر سب سے پہلا فتویٰ ان کے آباؤ اجداد ''علمائے لدھیانہ'' رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے جد امجد مولانا محمد لدھیانویؒ، مولانا عبداللہؒ اور مولانا محمد اسماعیلؒ نے دیا جو تین بھائی ''علمائے لدھیانہ'' کہلاتے تھے۔ ۱۸۸۴ء میں دیا، ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اسی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے، نیز آپ نے تاریخ ختم نبوت، مکاتیب رئیس الاحرار، تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینہ میں کتب تحریر کیں۔ آپ کو شاعرانہ ذوق بھی قدرت کی طرف سے ودیعت ہوا۔ آب گُل کے نام سے مجموعہ تیار کیا۔ ماہنامہ ملیہ میں بہت معیاری اور تاریخی اداریے تحریر کئے۔ ۲۰۰۴ء سے ۲۰۲۳ء تک ماہنامہ ملیہ کے مدیر رہے۔ آپ کا اصلاحی تعلق حضرت سید نفیس الحسینیؒ (سید انور حسین نفیس) سے تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے آپ کو اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا اور گرفتار بھی ہوئے۔ غرضیکہ عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت آپ کی گھٹی میں شامل تھی۔ آپ کے والد گرامی حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے فرزند ارجمند تھے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے تیسرے امیر مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ نے آپ کو مجلس کی مرکزی شوریٰ کا ممبر مقرر کیا۔ مولانا انیس الرحمٰنؒ مظاہر العلوم سہارنپور کے فاضل، برکت العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کے شاگرد رشید اور مرشد الاحرار حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے مجاز تھے۔ حضرت رائے پوریؒ جب فیصل آباد میں تشریف لاتے تو قیام جامعہ ملیہ میں حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ کے ہاں ہوتا۔ مولانا انیس الرحمٰن کا انتقال ۱۲/اکتوبر ۱۹۷۴ء کو ہوا۔

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی عرصۂ دراز سے دل کے مریض چلے آرہے تھے۔ ہارٹ سرجری بھی ہوئی، لیکن موت کا وقت مقرر اور موت اٹل حقیقت ہے۔ اپنے فرزند ارجمند کے ہاں ڈیلس امریکا میں ٹھہرے ہوئے تھے اور پاکستانی تاریخ کے مطابق ۱۷/اکتوبر ۲۰۲۳ء کو وفات ہوئی اور ڈیلس کے قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے۔ اللہ پاک انہیں کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب فرمائیں۔ نیز آپ کی حسنات کو قبول فرمائیں اور سیئات سے درگزر فرمائیں۔ راقم ۲۲/اکتوبر عشا کے وقت تعزیت کے لئے حاضر ہوا۔

(مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی)

7 ستمبر 1974ء کو

پارلیمنٹ کا قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا

تاریخ ساز فیصلہ

7 ستمبر 1974ء تا 7 ستمبر 2024ء

50 سال مکمل ہونے پر عالمِ اسلام کو

تحفظ ختم نبوۃ

گولڈن جوبلی مبارک ہو

شعبہ نشر و اشاعت: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت